جون ۱۹۷۸ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مرتب
(شیخ) جمیل الرحمٰن

جلد ۲۷ | ماہ جون ۱۹۷۸ء | شمارہ ۶

مشمولات

عرض حوال	—	جمیل الرحمٰن	صفحہ ۱
شرک اور اقسام شرک	—	ڈاکٹر اسرار احمد	،، ۷
صراط مستقیم (نشری تقریر)	—	ڈاکٹر اسرار احمد	،، ۱۹
مقام صحابہ	—	محمد یونس ۔ ایم اے ۔ ایم ۔ ایڈ	،، ۲۳
اسلام میں خدمت خلق کا تصور	—	ڈاکٹر اسرار احمد	،، ۴۲
غیر سودی بنک	—	محمد جمیل چودھری	،، ۵۳

☆

شائع کردہ :

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶ - کے ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور

فون : 352683

چندہ سالانہ ۱۵/- قیمت فی نسخہ ۱/۵۰

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

امیر تنظیم اسلامی

و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کی حسب ذیل تالیفات دستیاب ہیں ۔

۱

مطالبات دین

○ عبادت رب ○ شہادت علی الناس اور ○ اقامت دین

کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب کے تین خطابات کا مجموعہ

بڑے سائز کے ۱۲۸ صفحات ۔ سفید کاغذ ۔ آفسٹ طباعت قیمت : چھ روپے

شائع کردہ : مکتبہ تنظیم اسلامی (فون : ۳۵۲۶۸۳)

۲

نبی اکرمؐ کا مقصد بعثت

اور

انقلاب نبویؐ کا اساسی منہاج

بڑے سائز کے ۶۴ صفحات ، سفید کاغذ ۔ آفسٹ طباعت قیمت : تین روپے

۳

مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب

ہدیہ نصف اول ۵ روپے ۔ نصف دوم ۔ ۵ روپے

شائع کردہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

فون : ۳۵۲۶۱۱

جمیل الرحمٰن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

عرضِ احوال

مخالفت کا ضابطہ تاریخ گواہ ہے کہ اس آسمان کے نیچے سینۂ گیتی پر جو بھی نظریاتی اور انقلابی دعوت اٹھی ہے، چاہے وہ حق کی دعوت ہو، چاہے باطل کی، اُسے شدید مخالفتوں اور مزاحمتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور جو لوگ اس دعوت کے داعی ہوتے ہیں، ان کو طنز و استہزاء، دشنام، الزام اور بہتان طرازیوں سے ضرور سابقہ پیش آتا ہے۔ اگر یہ دعوت حق کی دعوت ہو تو تاریخ میں یہ عجائب بھی محفوظ ہیں کہ عموماً دعوت کی مخالفت میں وہ لوگ پیش پیش ہوتے ہیں جن سے دعوت کی تائید و اعانت کی سب سے زیادہ توقع ہوتی ہے۔

رسولوں کے ساتھ معاملہ حضرت مسیح علیہ السّلام کی دعوت کی مخالفت میں یہود کے علماء اور احبار و رُہبان پیش پیش تھے جو حاملِ تورات اور حاملِ شریعت تھے۔ توحید، وحی، نبوت، رسالت اور آخرت کے مُقر تھے۔ لیکن اُن کو حضرت مسیح علیہ السّلام کی دعوتِ حق گوارا نہیں ہوئی۔ چونکہ اس دعوتِ حق سے اُن کے معائب سامنے آ رہے تھے، اور انہوں نے دین کو جو کاروبارِ دُنیوی کا ذریعہ بنا رکھا تھا، اُس پر زد پڑ رہی تھی، ان کو اپنے مفادات خطرے میں نظر آ رہے تھے اور اُن کے قول و عمل کا تضاد نمایاں ہو رہا تھا، وہ کیسے دعوتِ حق کو برداشت کرتے۔ لہٰذا انہوں نے حضرت مسیح علیہ السّلام کے خلاف پروپیگنڈے کی زبردست مہم شروع کر دی۔ کہیں اُنؑ کو جادوگر کہا گیا، کبھی اُنؑ پر طالبِ اقتدار و جاہ ہونے کا الزام لگایا گیا۔ بیت المقدس میں اُنؑ کے وعظ و نصیحت کرنے پر پابندیاں عائد کی گئیں۔ حتّٰی کہ ہیکلِ سلیمانی میں اُن کے داخلے پر بھی بندش لگا دی، اور اپنی ریشہ دوانیوں سے ان کو صلیب پر چڑھانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ بلکہ اپنی دانست میں تو وہ کامیاب بھی ہو گئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی خاص تدبیر اور قدرتِ کاملہ سے حضرت مسیح علیہ السّلام کو محفوظ رکھا اور آنحضرتؑ کو زندہ آسمان پر اُٹھا لیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے ذریعے دعوتِ توحید، دعوتِ ایمان بالرسالت و بالآخرت پیش کرنے سے قبل قریش کی آنکھوں کا تارا تھے۔ اپنی اعلیٰ سیرت و کردار، ارفع اخلاق، اپنے حسنِ معاملہ اور امانت و دیانت کی بدولت اس معاشرے سے "الامین" اور "الصادق" کے خطابات حاصل فرما چکے تھے۔ لیکن جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید، ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت کی دعوت کا آغاز کیا اور کلامِ الٰہی (قرآن مجید) پیش فرمانا شروع کیا، تو اس بگڑے ہوئے مشرکانہ معاشرے سے جس جن کے مفادات وابستہ تھے، انہوں نے پہلے تو طنز و استہزاء اور تمسخر کا انداز اختیار کر کے اس دعوت کو چٹکیوں میں اڑانا چاہا۔ لیکن جب دعوت کے اثر و نفوذ کے نتائج ظاہر ہونے شروع ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مجنون ہونے کا الزام لگانے پر بس نہیں کیا گیا، بلکہ مخالفت میں شدت آتی چلی گئی اور تشدد کا دور شروع ہوا۔ خود رحمۃ للعالمین کی ذاتِ گرامی بھی اس تشدد کا نشانہ بنی اور دعوت کو قبول کرنے والوں پر جور و تعدی اور بہیمانہ ظلم و ستم کے وہ پہاڑ توڑے گئے جس کے تصور سے ایک حساس دل پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ دعوتِ قرآنی اور دعوتِ توحید کی جس جس کی مذہبی سیادت و عقیدت اور دنیوی سیاست و قیادت اور وجاہت پر زیادہ زد پڑتی تھی وہ اتنا ہی شدت کے ساتھ اس دعوت کی مخالفت میں پیش پیش تھا۔

دنیا میں ایسے نادانوں کی کبھی کمی نہیں رہی ہے جو دعوتِ حق کے داعی کے متعلق اس مغالطے میں مبتلا نہ ہوئے ہوں اور جنھوں نے اس مغالطے کو عام کرنے کی کوشش نہ کی ہو کہ داعی کے پیشِ نظر اس دعوت کے ذریعے جاہ و اقتدار، شہرت اور دنیوی عیش و آرام کا حصول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفارانِ قریش نے نبی اکرم کے سامنے حضور کو بادشاہ بنانے، آپ کے قدموں میں سیم و زر کے انبار لگانے اور پسندیدہ خاتون کو حضور کے حبالۂ عقد میں دینے کی پیش کش کی تھی، بشرطیکہ آنحضور دعوتِ توحید سے دستبردار ہو جائیں۔ وہ نادان یہ سمجھتے تھے کہ (نعوذ باللہ) حضور کی دعوت کا مقصد یہی کچھ ہے۔

ہجرت کے بعد جب دعوتِ اسلامی کو یہودیوں سے سابقہ پیش آیا، تو وہ یہود جو خود نبیٔ آخر الزماں کی بعثت کے منتظر تھے اور جن کی کتابوں میں سرزمینِ حجاز ہی میں ان کے ظہورِ قدسی کی پیشین گوئیاں موجود تھیں۔ اور شاید اسی وجہ سے ان کے قبیلے عراق و

شام کے سرسبز و شاداب علاقے چھوڑ کر یثرب (مدینہ) میں مقیم ہوئے تھے، اس دعوت کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ جس میں ایک طرف تو حسد تھا کہ یہ نعمت "اُمیین" یعنی بنی اسمٰعیل کو کیوں ملی۔ دوسری طرف اُن کو اس دعوت کی کامیابی میں اپنی مذہبی سیادت و قیادت اور اپنے علمی و فکری وقار کے لئے سخت خطرہ نظر آرہا تھا۔

ان مدعیانِ توحید، حاملِ کتاب و شریعت علمائے یہود پر قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے انتہائی سخت تنقیدیں کی گئی ہیں۔ جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ حسد، عداوت اور رقابت کی وجہ سے دعوتِ حق اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کس حد تک اخلاقی پستی اور قعرِ مذلت میں گر چکے تھے۔ بدگمانیاں پھیلانا، بہتان طرازیاں کرنا۔ مسلمان کو بدظن کرنے کیلئے نت نئے طریقوں سے کوشش کرنا اُن کے معمولات میں شامل ہو گیا تھا۔ گراوٹ کی انتہا یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مقابلے میں انہوں نے مشرکین کے راہِ حق پر گامزن ہونے کا فتویٰ دے دیا تھا۔ جیسا کہ سورۃ النسآء میں فرمایا:

وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۝ (آیت ۵۱)	اور (یہ یہود) کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان والوں سے زیادہ ہدایت پر تو یہ ہیں۔

صُلحاء کے ساتھ معاملہ | یہ تو انبیاء و رُسُل کے پاکیزہ ترین زمرے میں سے دو جلیل القدر رسولوں کی دعوتِ حق کی مخالفتوں اور مزاحمتوں کا اجمالی تذکرہ تھا۔ برِصغیر پاک و ہند کی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کو بالخصوص اور بندگانِ خدا کو بالعموم جب بھی اہلِ حق نے قرآن مجید کی، سنتِ رسول کی اور توحیدِ خالص کی طرف دعوت دی، اور مسلمانوں کے مبتدعانہ عقائد و اعمال پر تنقیدیں کیں۔ اُنکی بے عملیوں اور بدکرداریوں پر اُن کو ٹوکا تو ایسے اللہ والوں کو مخالفتوں اور مزاحمتوں سے ضرور سابقہ پیش آیا ہے:

شاہ ولی اللہ دہلویؒ | ماضی قریب میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جب مسلمانوں کو قرآن مجید کی حقیقی دعوت و فکر سے واقف و آشنا کرانے کے لئے قرآنِ حکیم کا فارسی میں ترجمہ کیا جو اُس وقت برِصغیر کی علمی اور دفتری زبان تھی تو وقت کے اکثر سکہ بند علماء کی طرف سے تائید و موافقت کی بجائے شاہ صاحبؒ کی مخالفت میں ایک طوفانِ بے تمیزی کھڑا کر دیا گیا، اُن کی

تکفیر کی گئی۔ مسجد فتح پوری دہلی سے، جہاں وہ درسِ قرآنِ حکیم دیتے تھے، اُن کو بے دخل کرنے کی ہر امکانی کوشش کی گئی۔ یہاں تک کہ اُن کو قتل کرنے کے لئے بارہا یورش کی گئی۔ پھر ان کے پوتے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی مخالفت میں بھی کوئی کسر اٹھا رکھی گئی۔ اس لئے کہ شاہ صاحبؒ بدعات کی مذمت کرتے تھے اور توحید کی دعوت دیتے تھے۔ اس "جہاد" میں بھی وقت کے اکثر سنّی علماء پیش پیش تھے۔

مولانا احمد علی لاہوریؒ اسی شہر لاہور میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے شیرانوالہ گیٹ کی جامع مسجد میں درسِ قرآن کو بند کرانے اور اس مسجد میں اُن کے داخلے پر پابندی لگانے کی کوششوں میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی گئی۔ ان کوششوں کا ذکر ہفت روزہ "خدام الدین" کے تبلیغ نمبر (ستمبر ۷۱ء) میں موجود ہے۔

امام ابن تیمیہؒ ماضی بعید میں ترجمان القرآن امام الوقت امام ابن تیمیہؒ کے خلاف مصر اور شام میں جو مہمات انجام دی گئیں اُن کے حالات و واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اس مجدّدِ وقت کی مخالفت میں بھی وقت کے چند سنّی بند اور جید عالم ہی پیش پیش تھے۔ ان ہی کی طرف سے حضرت امام صاحب کی شخصیت کو مجروح کرنے میں کوئی کسر اٹھا رکھی گئی تھی۔ حد یہ کہ اُن کی تکفیر بھی کی گئی۔ مصر میں اُن کے داخلے پر پابندی عاید کی گئی۔ دمشق میں امام صاحبؒ دو مرتبہ قید کئے گئے اور آخری قید ہی کی حالت میں جیل میں اس امام اور مجدّدِ وقت نے اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کی۔

ڈاکٹر اسرار احمد اللہ کے ایک بندۂ عاجز اور قرآن مجید کے ایک ادنیٰ خادم ڈاکٹر اسرار احمد کی تو بساط ہی کیا ہے۔ اور نہ اس بندۂ ناچیز کی ان نفوسِ قدسی سے کوئی نسبت ہے۔ ذرّے کو آفتاب سے جو نسبت ہو سکتی ہے، اس سے بھی کہیں کمتر نسبت ڈاکٹر صاحب کو ہو تو ہو۔ لیکن سُنّت اللہ یہی ہے کہ جو بھی بے لاگ اور بے لوث طریقے پر قرآن مجید کی طرف پکارے گا اور صرف مدرّس و معلّم، مصنّف و مفسّر بننے پر اکتفا کرنے کے بجائے ایک داعی کی حیثیت سے کھڑا ہو گا اور دعوت دے گا کہ:

"مسلمانو! قرآن مجید کے حقوق ادا کرو، اُس کی تعلیمات کے مطابق اپنے انفرادی و اجتماعی معاملات کو درست کرو، اُس کے نور کو عام کرو، اسوۂ رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کرو اور اللہ کی کبریائی کو معاملاتِ دُنیا میں بالفعل قائم

کرنے کی منظم ہو کر جدّ و جہد کرو۔ تم کو موروثی طور پر جو دولتِ اسلام ملی ہے اس کی قدر کرو اور شعوری طور پر حقیقی مسلم و مومن بننے کی سعی کرو۔ اپنی زندگیوں سے منافقت اور تناقض دُور کرو۔ بدعات اور مشرکانہ نظریات و اعمال سے اجتناب کرو۔ اللہ کے رنگ میں رنگ کر یک رنگ ہو جاؤ!"

تو اس کی مخالفت و مزاحمت ضرور ہو گی۔ چنانچہ ڈاکٹر اسرار احمد کی دعوت اِلَی اللہ، دعوت رُجوع اِلَی القرآن اور دعوتِ تجدیدِ ایمان، توبہ، تجدیدِ عہد نے جب منظم شکل اختیار کرنی شروع کی، تو اُن کے خلاف بدگمانیاں پھیلانے، وسوسہ اندازی کرنے کا بھی آغاز ہو گیا۔ دعوت کے تدریجی ارتقاء اور قبولِ عام کے ساتھ ساتھ مخالفانہ اور مخاصمانہ کوششوں میں بھی بتدریج اضافہ ہوا۔ لیکن جب یکم اپریل ۷۸ء سے مسجد شہداء میں ہفتہ میں پانچ دن کے حساب سے مطالعۂ قرآن کے منتخب نصاب کا چالیس روزہ پروگرام شروع ہوا جس میں روزانہ چار پانچ سو افراد کی حاضری ہو رہی تھی۔ جس میں اکثریت تعلیم یافتہ حضرات کی ہوتی تھی اور ان شرکاء کا ذوق و شوق اور شرکت کی پابندی بھی دیدنی تھی۔ پھر ماڈل ٹاؤن کے بلاکوں میں حُروفِ تہجّی کی ترتیب سے ہر جمعہ کو ایک بلاک کی جامع مسجد میں سیرتِ مطہرہ پر ڈاکٹر صاحب کے خطابات کا آغاز ہوا اور حاضری کے لحاظ سے یہ اجتماعات بھی قابلِ ذکر نظر آنے لگے تو مخالفت میں بھی کافی شدّت پیدا ہونی شروع ہوئی۔ مسجد شہداء کے درس میں مختلف انواع کی رکاوٹیں ڈالنے کی کوششیں بھی کی گئیں۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ اس موقع پر مخالفت کو ہوا دینے میں ایک لاہوری مرزائی پیش پیش ہے جو بظاہر مسلمان بن کر عرصے تک ڈاکٹر صاحب کے دروس میں شامل ہوتا رہا ہے اور ڈاکٹر صاحب کو خراجِ تحسین پیش کرتا رہا ہے لہٰذا ضروری معلوم ہوا کہ اس شخص کی نقاب کشائی کی جائے تاکہ جو چند مخلص حضرات اپنی سادگی کی وجہ سے غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں، صحیح صورتِ حال اُن کے سامنے آجائے۔ اِس ضرورت کے تحت ڈاکٹر صاحب نے انتہائی عجلت میں وہ مضمون لکھا جو "علماءِ کرام ہوشیار رہیں!" کے عنوان سے گذشتہ شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی لیکن ابھی پرچہ پریس ہی میں تھا کہ مولانا امین احسن اصلاحی کا ایک خط جو کسی دوسرے "مولانا" کے نام ان کے کسی استفسار کے جواب میں لکھا گیا تھا

خط کی اصل فوٹو سٹیٹ کاپی کے ساتھ بعض انجمنوں کے نام سے ہزاروں کی تعداد طبع کرا کے لاہور میں پھیلانا شروع کیا گیا۔ خاص طور پر اُن حلقوں اور علاقوں میں جہاں ڈاکٹر صاحب کے دروس و خطابات کے پروگرام مستقلاً جاری تھے۔ اس خط کی اشاعت وسیع پیمانے پر اس کو پھیلانے کی مہم سے اندازہ ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کے خلاف بدگمانیاں پھیلانے اور مخالفت و مخاصمت کا یہ کام اب انفرادی سطح سے آگے بڑھ کر ایک منظم صورت اختیار کر گیا ہے۔ پھر اس مہم کا دائرۂ کار لاہور ہی تک محدود نہیں رہا، بلکہ اس خط کو پاکستان کے دوسرے شہروں میں بھی پھیلایا جا رہا ہے۔

حیرت انگیز طرزِ عمل اوّل تو یہ مخالفانہ رویّہ ہی باعثِ حیرت و صدمہ تھا، اس پر مستزاد یہ کہ مہم کا آغاز ان عالمِ دین کے خط سے کیا گیا تھا جو اکیس سال قبل خود دعوتِ اسلامی کے ایک داعی کا مقام رکھتے تھے۔ لیکن جو جون ۱۹۵۷ء میں جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہو جانے کے بعد رفتہ رفتہ گمنامی سے دوچار ہو رہے تھے اور اُن کا نامِ نامی اور علمی و فکری کام آہستہ آہستہ ناقدری و فراموشی کی نذر ہو رہا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ ۱۹۶۲ء میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ماہنامہ 'میثاق' کے نظم و نسق کی ذمہ داری اور ادارت سنبھالی جو انتظامی فقدان اور مالی بحران کی وجہ سے بند پڑا تھا، اور اس بات کا بیڑا اٹھایا کہ وہ مولانا موصوف کے فکر کو جس کے ذریعے ان کو قرآنِ حکیم کے مطالعے اور اس میں غور و تدبّر کی سعادت ملی تھی، عام کرنے کی ہر امکانی سعی کریں گے۔ خصوصاً نئی نسل اور تعلیم یافتہ حضرات کو مولانا کے طرزِ فکر، تدبّرِ قرآن اور علمی کارناموں سے متعارف کرائیں گے۔ اسی سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کی بارہ سالہ اور مرکزی انجمن خدّام القرآن کی چھ سالہ مساعی کا نتیجہ اس شکل میں موجود ہے کہ مولانا کی تفسیر "تدبّرِ قرآن" کی چار ضخیم جلدیں اور چند دوسری تالیفات کی ناشر مرکزی انجمن ہے۔ بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ مرکزی انجمن کے مکتبہ کی نوّے فی صد سے بھی زائد ضخیم کتابیں مولانا ہی کی تالیفات پر مشتمل ہیں۔ جس کا حقیقی مقصد اس فکرِ قرآنی کی نشر و اشاعت ہے جو مولانا کا خاصّہ رہا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس مخالفانہ مہم میں مولانا موصوف کا اچانک نمودار ہونا ہر اسلام دوست اور دردمند شخص کے لئے حیرت اور رنج کا باعث ہوگا۔

دُکھ کی بات ہمارے لئے مزید دُکھ کی بات یہ ہے کہ اس خط میں جو اسلوبِ نگارش

قسط ۷

ڈاکٹر اسرار احمد

شرک اور اقسامِ شرک

شرک فی الحقوق (۲)

(ترتیب و تدوین: جمیل الرحمٰن)

انفرادی زندگی کا دائرہ ہم میں سے ہر شخص اس حقیقت کو جانتا ہے کہ انسان کی زندگی دو بڑے بڑے دائروں میں منقسم ہے۔ ایک دائرہ خالصتاً اس کی انفرادی زندگی یعنی ذاتی فکر، نظریے اور عقیدے اور اس کے تحت ہونے والے انفرادی اعمال و افعال اور ذاتی سیرت و کردار سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا دائرہ اس کی اجتماعی زندگی سے متعلق ہوتا ہے جس میں مدنی اور معاشرتی زندگی کے تمام پہلو اور شعبے محیط ہوتے ہیں۔ گویا انسان کی زندگی ان ہی دونوں دائروں کے مجموعے کا نام ہے۔ لہٰذا ہمیں جائزہ لینا ہوگا کہ ان دونوں دائروں میں حقوق اللہ کی ادائیگی یعنی عبادتِ ربّ کے باب میں ہمارے معاشرے کا کیا حال ہے؟

چونکہ پہلا دائرہ انفرادی زندگی سے متعلق ہے تو اب قرآن و حدیث سے جو اصول ہم نے معلوم کیے ہیں ان اصولوں پر مدّعیانِ توحید کے انفرادی کردار و سیرت کا جائزہ لیجیے اور دیکھیے کہ شعوری اور غیر شعوری طور پر شرک کے گھناؤنے جرم نے کس کس طرح ہماری اکثریت کے فکر و عمل اور ذہن و قلب میں پنجے گاڑے ہوئے ہیں۔

نفس پرستی ہمارے اندر ایک شے ہے جس کو قرآن مجید "نفسِ امّارہ" کہتا ہے۔ جس کا کام یہ ہے کہ وہ ہم کو برائی کی ترغیب ہی نہیں بلکہ اس کے ارتکاب کا حکم دیتا ہے:- اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ (سورہ یوسف- ۵۳) "بے شک نفسِ امّارہ انسان کو برائی ہی سکھاتا ہے"۔ وہ ہم کو خدا کے احکام سے سرتابی کا حکم دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا کا حکم کچھ ہو، میری پسند اور میری مرضی یہ ہے اسی کے مطابق کام ہوگا۔ اب اگر کوئی انسان نفس کی ان ترغیبات و خواہشات سے مغلوب ہو کر اللہ کی مرضی کو نظر انداز کر کے اس کے

ـــــ تقاضوں کو پورا کرنے لگے تو اس کا یہ طرزِ عمل دو صورتوں میں سے ایک صورت پر لازمی مبنی ہوگا۔ پہلی یہ کہ یا تو اس نے خدا کو اپنے ذہن و قلب سے یکسر خارج اور بید خل (DE-THRONE) کر کے دل کے سنگھاسن پر نفس کو براجمان کر دیا ہے۔ دوسری یہ کہ اس نے اطاعت کے حصے بخرے کر لئے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ کچھ معاملات میں خدا کی اطاعت کر لی اور کچھ میں اپنے نفس کی، اپنی چاہت کی اطاعت کر لی اور تقسیم یوں ہوگئی کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کو اور جو نفسِ امّارہ کا ہے وہ اس کو دو۔ یہ طرزِ عمل قطعی شرک ہے یہ بھی درحقیقت اُسی نوع کا شرک ہے، جس کی میں مادہ پرستی کے ذیل میں وضاحت کر چکا ہوں کہ جس سے فی زمانہ بچنا انتہائی مشکل ہے۔ اسی طرح نفس پرستی کے شرک سے بچنا بھی آسان نہیں۔ شاید ہی کوئی مائی کا لال ہو جو نفسِ امّارہ کے سامنے سپر نہ ڈال دیتا ہو۔ اسی بات کو علّامہ اقبال نے بڑے پیارے انداز میں یوں بیان کیا ہے ؎

بڑا ہی نظر پید مگر مشکل سے ہوتی ہے ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

ہم انصاف و اُصول پسندی سے کام لیں اور اپنے اپنے گریبانوں میں بے لاگ طریقے پر جھانکیں تو ہم میں سے ہر ایک کو کم و بیش اپنا یہی حال نظر آئے گا۔ درجے اور ڈگری کا فرق ہو سکتا ہے۔ لیکن اس نوع کے شرک کی نجاست سے وہی محفوظ ہوگا جس کے لئے اللہ چاہے، جیسا کہ سورۂ یوسف کی آیت ۵۳ میں فرمایا :

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ	اور میں اپنے تئیں پاک صاف نہیں کہتا
لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ	بے شک نفس امّارہ (انسان کو) برائی ہی
رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝	سکھاتا ہے، مگر یہ کہ میرا رب رحم کرے،

بے شک میرا ربّ غفور (معاف کرنے والا) اور رحیم (رحم فرمانے والا) ہے۔

نفس کو بت بنا کر یا اس کا کوئی اور پیکر ڈھال کر کوئی بھی اس کے سامنے پوجا پاٹ اور پرستش کے مراسم انجام نہیں دیتا۔ لیکن خدا کی اطاعت سے آزاد ہو کر نفسِ امّارہ کی خواہشات کو پورا کرنا عبادت کی ضد ہے۔ اور یہی شرک ہے۔ یہی نفس کو خدائی کا مقام دینا، یا خدائی میں شریک ٹھہرانا ہے میں قرآن حکیم ہی سے اس کی دلیل دیتا ہوں : سورۃ الفرقان میں فرمایا :

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ	(اے نبی !) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا

اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ (آیت ۴۳) جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا الٰہ (معبود) بنا رکھا ہے تو کیا آپ اُس (شخص) پر نگہبان ہو سکتے ہیں اور اس کی ذمّہ داری لے سکتے ہیں ؟

غور کیجئے یہاں لفظ الٰہ استعمال فرمایا جو ہمارے کلمۂ طیّبہ اور توحید کا جزو ہے ـ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه - یہ ارشادِ ربّانی اس امر پر نصِّ قطعی ہے کہ اللّٰہ کی اطاعت سے آزاد اور بے نیاز ہو کر نفسِ امّارہ کی پیروی کرنا ، اس کو الٰہ یعنی معبود قرار دینا ہے اور یہی شرک ہے۔ اس مضمون کو ایک شعر میں مولانا رومیؒ نے نہایت ہی اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے ، داد دیجئے ان کی جودتِ طبع اور ذہن رسا کی ، کہتے ہیں کہ ؎

نفسِ ما ہم کمتر از فرعون نیست لیکن او را عون ایں اعوان نیست

مطلب یہ ہوا کہ میرا نفس بھی فرعون سے کمتر نہیں ، فرعون خدائی کا مدّعی تھا ، میرا نفس بھی ہر وقت یہی دعویٰ کرتا ہے - فرعون کا دعویٰ یہی تھا کہ مرضی میری چلے گی۔ حکم میرا چلے گا۔ یہ میرا ملک ہے - میں اس کا بادشاہ اور مالک ہوں - اس ملک کا پورا انتظام میرے قبضۂ اختیار میں ہے۔ میں اپنے سے بالا کسی اختیار کو تسلیم نہیں کرتا ـ یاد رکھئے کہ فرعون اس بات کا مدّعی نہیں تھا کہ اس پوری کائنات کا خالق میں ہوں - کوئی احمق ہی ہو گا جو اس دعوے کو مان لے اس کا خدائی کا دعویٰ دراصل اس معنیٰ میں تھا کہ میری مملکت میں حکم مطلقاً میرا چلے گا- میری مرضی اور پسند کے مطابق اُمورِ حکومت انجام پائیں گے بس یہی دعویٰ میرا نفس بھی ہر وقت کرتا ہے کہ میری مرضی اور میری چاہت پوری ہو گی۔ اللّٰہ کی مرضی اور اس کا حکم مؤخر ، میرا مطالبہ مقدّم ـ رسول کا حکم پاؤں تلے ، میری مرضی اہم - یہ ہے وہ بات جو پہلے مصرعہ میں کہی گئی کہ : " نفسِ ما ہم کمتر از فرعون نیست ! "

فرعون کے پاس لاؤ لشکر تھا - اس کے ہاتھ میں عظیم الشّان مملکت کے تمام اسباب ذرائع اور وسائل تھے ، وہ بادشاہ تھا- لہٰذا اس نے گھمنڈ اور استکبار میں آکر خدائی کا دعویٰ بھی کر دیا اور وہ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کا مدّعی بھی ہو گیا- میں مسکین ، میرے پاس لاؤ لشکر نہیں ، بادشاہت اور اس کے لوازم نہیں - لہٰذا زبان سے تو میں خدائی کا دعویٰ نہیں کر سکتا- لیکن حقیقتاً میرا نفس اسی بات کا مدّعی ہے کہ مرضی ، پسند اور حکم میرا چلے گا- اسی بات کو مولانا رومؒ نے دوسرے مصرعہ میں یوں بیان کیا ہے کہ : " لیکن او را عون

ایں را عون نسبت است۔ پس معلوم ہوا کہ ہوائے نفس کے ہاتھوں میں اپنی باگ ڈور دے دینا، ازروئے قرآن اس کو معبود بنا لینا ہے۔ جو شرک فی الاطاعت ہے۔

تکبّر و استکبار نفس کے امراض میں ایک بہت موذی مرض تکبّر، استکبار، اور گھمنڈ ہے۔ قرآن حکیم میں تکبّر اور استکبار کی بڑی مذمّت آئی ہے۔ سورۃ المؤمن میں تو عبادت کی ضد کے طور پر اسی تکبّر کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ آیت ۶۰ کے آخر میں فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ سَیَدۡخُلُوۡنَ جَہَنَّمَ دٰخِرِیۡنَ ۝

جو لوگ میری عبادت سے ازراہِ تکبّر سرتابی اور سرکشی کرتے ہیں۔ وہ عنقریب ذلیل و رسوا ہو کر جہنّم میں داخل ہوں گے!

ابلیس کا جرم یہی تکبّر و استکبار تھا۔ وہ کہتا تھا کہ آدم کو سڑے ہوئے گارے سے تخلیق کیا گیا اور مجھے آگ سے، لہٰذا میں افضل ہوں۔ پھر افضل مفضول کے آگے کیوں سجدہ ریز اور منقاد پذیر ہو۔

وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اَبٰی وَ اسۡتَکۡبَرَ ٭۫ وَ کَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ ۝ (آیت ۳۴)

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو، تو سب سجدے میں گر پڑے لیکن ابلیس (شیطان) نے انکار کیا اور تکبّر کیا اور اس استکبار کی وجہ سے وہ کافروں میں سے ہو گیا۔

ہمارے عوام میں اور اکثر خواص میں یہ مغالطہ عام ہے کہ ابلیس کو بھی فرشتوں میں سے سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ابلیس فرشتہ نہیں بلکہ جنّوں میں سے تھا۔ جس کو سورہ کہف کی آیت ۵۰ میں یہ فرما کر واضح کر دیا گیا کہ: کَانَ مِنَ الۡجِنِّ۔ (وہ جنوں میں سے تھا!) ۔ وہ جنّات بھی جن کا تحمید اور تسبیح و تہلیل میں ایک اعلیٰ مقام تھا، ملائکہ کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو وہ ابلیس بھی اس مجلس میں شریک تھا۔ مَیں نے ابھی جو آیت پیش کی ہے۔ اس پر غور و تدبّر کیجئے تو صاف واضح ہوگا کہ اس کے انکار کا سبب یہ نہیں تھا کہ وہ اس حکم کا خود کو مخاطب نہیں سمجھتا تھا بلکہ اصل سبب تکبّر و استکبار تھا۔

قرآن حکیم کی جن جن سورتوں میں انبیاء و رُسل کی، اُن کی قوموں کی طرف بعثت کا

ذکر ہے، ان مقامات کا مطالعہ کیجیے، تو آپ کے سامنے یہ بات آئے گی کہ عبادتِ ربّ کی دعوت کے انکار کا اوّلین سبب یہی تکبّر و استکبار تھا۔ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا و علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی قوموں نے اسی استکبار اور تکبّر کی وجہ سے اپنے اپنے نبیوں اور رسولوں کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ہر نبی اور رسول کی قوم کی طرف سے دعوتِ عبادتِ ربّ کے انکار کے ساتھ آپ کو قرآن مجید میں: قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا کے الفاظ ملیں گے۔ سورۃ الاعراف میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو تورات عطا کیے جانے کے ذکر کے بعد آیت ۱۴۶ کے آغاز میں فرمایا:

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ط	جو لوگ بلا استحقاق زمین پر تکبّر کرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا۔ یعنی تکبّر کی وجہ سے وہ آیاتِ الٰہی سے ہدایت نہ پا سکیں گے

خود نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دعوتِ عبادتِ ربّ سے انکار کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہی تکبّر و استکبار تھا۔ ولید بن مغیرہ کی دعوتِ حق سے انکار کی سورۃ المدّثر میں نقشہ کشی کی گئی: ثُمَّ نَظَرَ ۙ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۙ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَکْبَرَ ۙ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ط (۲۱ تا ۲۵ آیات) :- "اُس نے (پھر) تأمّل کیا۔ پھر تیوری چڑھائی اور مُنہ بگاڑا۔ پھر پیٹھ موڑ کر چلا اور (قبولِ حق سے) غرور (تکبّر و استکبار) کیا۔ پھر کہنے لگا یہ تو جادو ہے جو (اگلوں سے) منتقل ہوتا آیا ہے۔ (پھر بولا) کہ یہ (خدا کا کلام نہیں بلکہ) بشر کا کلام ہے۔" ——— ابوجہل بھی اسی تکبّر کی وجہ سے دعوتِ حق سے محروم رہا۔ اس کا یہ قول سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے جو اس نے اپنے ایک دوست کے سوال کے جواب میں کہا تھا کہ: "میں محمدؐ کو جھوٹا نہیں کہتا لیکن ہماری بنی ہاشم سے مسابقت کی ایک دوڑ ہو رہی تھی، انہوں نے حجاج کی خدمت کی تو ہم نے اُن سے بڑھ کر کی۔ انہوں نے مہمان نوازی کی تو ہم نے ان سے بڑھ کر کی۔ اب اگر محمدؐ کی رسالت مان لی جائے تو گویا ہم نے بنی ہاشم کی بڑائی تسلیم کر لی۔ جو میں ہرگز نہیں کروں گا!" ——— قرآن مجید میں سورۃ الفرقان اور الصّٰفّٰت میں اسی تکبّر کو کفّار و مشرکین کے انکار کا ایک سبب بیان کیا گیا ہے۔ اوّل الذکر کی اکیسویں آیت کے آخر میں فرمایا: لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ

وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝ : یہ اپنے نفس میں تکبّر رکھتے تھے اور (اسی لئے) بڑی سے بڑی سرکشی کئے جا رہے تھے۔ سورۃ الصّٰفّٰت کی پینتیسویں (۳۵) آیت میں فرمایا:

إِنَّهُمْ كَانُوْٓا إِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

ان کا یہ حال تھا کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (الٰہ) نہیں تو یہ تکبّر (میں انکار) کرتے تھے!

اس وقت مجھے ایک حدیثِ قدسی یاد آ رہی ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "الکبر ردائی!" (کبر (بڑائی) میری چادر ہے!) ۔ پس جو شخص زمین پر تکبّر کرتا ہے، وہ گویا اللہ کی کبریائی کی چادر اس سے چھیننے کی کوشش کرتا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ تکبّر جو دراصل نفس ہی کا ایک مطالبہ اور اسی ہی کی ایک بیماری اور ہوائے نفس ہی کا ایک مظہر ہے، بہت بڑا گناہ اور خدا کی جناب میں بہت ہی بڑی گستاخی ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں متکبّرین کے لئے سخت سزا اور شدید عذاب کی وعیدیں آئی ہیں۔ چند آیات سن لیجئے: سورۃ نساء کی آیت ۱۷۲ میں جہاں حضرت مسیحؑ کا صحیح موقف بیان فرمایا، وہاں عبادتِ ربّ کی ضد میں تکبّر و استکبار کو بھی بیان فرمایا گیا:

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ أَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ (آیت ۱۷۲)

(حضرت) مسیحؑ ہرگز اس بات سے عار نہیں رکھتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ مقرّب فرشتے عار رکھتے ہیں اور جو شخص اللہ کا بندہ ہونے کو موجبِ عار سمجھے اور استکبار کرے تو اللہ سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔

پھر اسی سورۃ النّسا کی آیت ۱۷۳ میں مومنین و صالحین کو اجرِ عظیم اور اس میں اپنے فضل سے اضافے کی خوشخبری دی گئی اور آیت کے آخری حصّے میں فرمایا گیا:

وَأَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝

اور جن لوگوں نے (اللہ کا بندہ ہونے سے) عار و انکار اور استکبار کیا، ان کو وہ (اللہ) دردناک عذاب دے گا اور یہ لوگ اللہ کے سوا اپنا کوئی حامی اور مددگار نہیں پائیں گے!

سورۃ الاعراف میں وعید سنائی گئی :

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (آیت ۳۶)	اور جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان سے تکبّر کا رویہ اختیار کیا وہی دوزخی ہیں کہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے ؟

متکبّرین کے لئے جہنّم ہے اس کا سورۃ النحل اور سورۃ الزّمر میں بایں الفاظ فیصلہ سنا دیا گیا کہ : فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ (آیت ۲۹) - اور قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ (آیت ۷۲) ——

سورۂ حشر کی آخری آیات (۲۲ ، ۲۳) میں اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حُسنیٰ کا جو حسین گلدستہ آیا ہے وہاں فرمایا : هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (آیت ۲۳)

پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ المتکبّر ہے اور کبریائی اُس کی ردا (چادر) ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہوا۔ اب اس دنیا میں جو شخص بھی تکبّر و استکبار کا کسی نوع سے بھی مظاہرہ کرتا ہے ، خواہ وہ مدّعیٔ توحید ہی کیوں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے حق پر ڈاکہ ڈالنے کی جسارت کرتا ہے ، اور اُس کی کبریائی کی چادر اس سے چھیننی چاہتا ہے۔ پس یہ رویّہ قطعی شرک ہے

ریاء ہوائے نفس کے بدترین امراض میں سے ایک مرض ریا بھی ہے۔ دکھاوا ، یہ مرض وہ ہے کہ جس کے نتیجے میں انسان تقویٰ کے کام بھی لوگوں کو دکھانے اور انکی داد و تحسین حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے۔ لہٰذا ریا اپنی اصل کے اعتبار سے شرک ہے۔ دلیل کیلئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قولِ فیصل سُن لیجئے ، حضورؐ نے فرمایا :

مَنْ صَلّٰى يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ	جس کسی نے دکھاوے کیلئے نماز پڑھی پس وہ یقیناً شرک کر چکا ، اور جس نے دکھاوے کیلئے روزہ رکھا پس وہ یقیناً شرک کر چکا۔ اور جس نے دکھاوے کیلئے صدقہ دیا پس وہ یقیناً شرک کر چکا۔

عربی گرامر کی رُو سے فعلِ ماضی سے پہلے "قَدْ" لانا اس بات کی قطعیّت و حتمیّت کے لئے آتا ہے یعنی اس فعل کے واقع ہو جانے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی، وہ یقیناً وقوع پذیر ہو چکا ــــ میں اس بات کو نبی اکرمؐ کی ایک حدیث کی روشنی میں ایک مثال سے سمجھایا کرتا ہوں۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے۔ وہ عموماً سجدہ آدھے یا ایک منٹ کا کیا کرتا ہے۔ لیکن جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ کوئی شخص اس کی نماز کی ادائیگی کو دیکھ رہا ہے تو اس نے اپنے خشوع و خضوع کا اس پر رعب گانٹھنے کے لئے اپنے سجدے کے وقت کو دو تین سیکنڈ سے بڑھا کر چار یا پانچ سیکنڈ کر دیا تو اس نے وقت کا جو اضافہ کیا وہ کس کے لئے کیا؟ ظاہر ہے کہ اب اس کے مسجود دو ہو گئے۔ ایک اللہ جس کے لئے وہ سجدہ کر رہا تھا اور دوسرا وہ جس کو دکھانے کے لئے اُس نے وقت کا اضافہ کیا، پس یہی شرک ہے۔

ریاء کی شناعت کو اچھی طرح جان لینے کے لئے چند حدیثیں اور سُن لیجئے جس کے راوی ہیں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عمر فاروق، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ إِنَّ فِي جَهَنَّمَ لَوَادِيًا تَسْتَعِيْذُ جَهَنَّمُ مِنْ ذٰلِكَ الْوَادِيْ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ اَرْبَعَمِائَةِ مَرَّةٍ، اُعِدَّ ذٰلِكَ الْوَادِيْ لِلْمُرَائِيْنَ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ، لِحَامِلِ كِتٰبِ اللّٰهِ وَالْمُتَصَدِّقِ فِيْ غَيْرِ ذَاتِ اللّٰهِ وَالْحَاجِّ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلِلْخَارِجِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (ابن ماجہ)

حضرت ابن عباسؓ نبی اکرمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جہنم میں ایک ایسی وادی ہے جس سے خود جہنم بھی ہر دن چار سو بار پناہ مانگتی ہے۔ یہ وادی امتِ محمدؐ کے ریاکاروں کیلئے تیار کی گئی ہے ــــ کتاب اللہ کے عالم کے لئے، صدقہ کرنے والے کے لئے، بیت اللہ کا حج کرنے والے کے لئے اور خدا کی راہ میں جہاد کے لئے نکلنے والے کے لئے؟

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ریاء کتنا بھیانک گناہ ہے ؎

(۲) مشکوٰۃ میں حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ: وہ ایک دن گھر سے نکلے

اور مسجدِ نبوی پہنچے۔ وہاں دیکھا کہ حضرت مُعاذ بن جبل رضؓ حضورؐ کی قبر کے قریب رو رہے ہیں!— پوچھا کیوں رو رہے ہو؟— مُعاذ بن جبل رضؓ نے کہا، نبی اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کا یہ ارشاد مجھے رُلا رہا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ: اِنَّ یَسِیرَ الرِّیَاءِ شِرْکٌ! (تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے!)

(۳) قتال فی سبیل للّٰہ اور تعلیم و تبلیغ اور دعوت اِلَی اللّٰہ اور انفاق فی سبیل اللّٰہ، برّ و تقویٰ کے چوٹی کے اعمال ہیں۔ ان سے زیادہ فضیلت والے اعمال کا انسان تصوّر نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر ان اعمال کی بجا آوری میں، نیّت میں شہرت طلبی اور ریا شامل ہو تو آخرت میں یہی اعمال نجات کے بجائے عذاب کے مستوجب ہو جائیں گے۔ اس ضمن میں نبی اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی وہ حدیث لرزہ طاری کرنے والی ہے:
جس کے راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ اور جس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے۔ حدیث یہ ہے:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ یُقْضٰی عَلَیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ رَجُلٌ اُسْتُشْھِدَ فَاُتِیَ بِہٖ فَعَرَّفَہٗ نِعَمَہٗ فَعَرَفَھَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْھَا قَالَ— قَاتَلْتُ فِیْکَ حَتّٰی اُسْتُشْھِدْتُ قَالَ— کَذَبْتَ وَلٰکِنَّکَ قَاتَلْتَ لِاَنْ یُّقَالَ جَرِیْءٌ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِہٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْھِہٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ— وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَہٗ وَقَرَءَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِیَ بِہٖ فَعَرَّفَہٗ نِعَمَہٗ فَعَرَفَھَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْھَا قَالَ— تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُہٗ وَقَرَاْتُ فِیْکَ الْقُرْاٰنَ— قَالَ کَذَبْتَ وَلٰکِنَّکَ— عَلِمْتَ وَقَرَءْتَ لِاَنْ یُّقَالَ ھُوَ قَارِیٌٔ فَقَدْ قِیْلَ۔ ثُمَّ اُمِرَ بِہٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْھِہٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ— وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَعْطَاہُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ کُلِّہٖ فَاُتِیَ بِہٖ فَعَرَّفَہٗ نِعَمَہٗ فَعَرَفَھَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْھَا قَالَ مَا تَرَکْتُ مِنْ سَبِیْلٍ تُحِبُّ اَنْ یُّنْفَقَ فِیْھَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِیْھَا لَکَ قَالَ کَذَبْتَ وَلٰکِنَّکَ فَعَلْتَ لِیُقَالَ ھُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِیْلَ۔ ثُمَّ اُمِرَ بِہٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْھِہٖ ثُمَّ اُلْقِیَ فِی النَّارِ (مسلم)

[حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے فرمایا، قیامت کے دن جس شخص کا فیصلہ لوگوں سے پہلے ہوگا، وہ آدمی شہید ہوگا۔ اُسے لایا جائے گا اور اس پر

نوازشاتِ الٰہیہ کی تفصیل بیان کی جائے گی، تو وہ جان لے گا۔ پھر اللہ پوچھے گا تو ان نعمتوں کے شکریہ کے طور پر کیا عمل کیا۔ وہ کہے گا میں تیرے لئے لڑا، یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا۔ اللہ کہے گا تو جھوٹا ہے۔ بلکہ لڑا تو اس لئے تھا کہ تجھے بڑا بہادر کہا جائے تو وہ کہا جا چکا۔ پھر اُسے مُنہ کے بل جہنّم میں ڈال دیئے جانے کا حکم ہوگا۔ پس وہ ڈال دیا جائے گا (اسی طرح) وہ شخص جس نے علم سیکھا، اسے سکھایا اور قرآن پڑھا، لایا جائے گا۔ اس پر بھی نعمتوں کی یاد دہانی کرائی جائے گی تو وہ جان جائے گا۔ پھر اللہ پوچھے گا کہ تو نے ان نعمتوں پر کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں نے علم سیکھا اور سکھایا، تیرے لئے قرآن پڑھا۔ اللہ کہے گا، تو جھوٹا ہے۔ حالانکہ تو نے سیکھنے، سکھانے اور پڑھنے پڑھانے کا عمل اس لئے کیا کہ تجھے عالم اور قاری کہا جائے تو وہ کہا جا چکا۔ پھر اسے بھی مُنہ کے بل جہنّم میں جھونک دینے کا حکم ہوگا۔ اور اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا (اب تیسرا وہ) شخص جس پر اللہ نے مال و دولت کی بے حساب فراوانی کی ہوگی، لایا جائے گا۔ اس پر بھی حسبِ سابق انعاماتِ الٰہیہ کی یاد دہانی کرائی جائے گی، تو وہ جان لے گا۔ اور اللہ پوچھے گا، پھر تو نے ان کی وجہ سے کیا کیا؟ وہ کہے گا، میں نے کوئی موقع ایسا نہیں چھوڑا کہ تجھے اُس میں میرا مال خرچ کرنا پسند ہو۔ مگر میں نے مال ضرور خرچ کیا تیرے لئے۔ اللہ فرمائے گا، تو نے تو اس لئے یہ کام کیا کہ تو بڑا سخی کہا جائے، تو وہ کہا جا چکا۔ پھر اسے بھی اوندھے منہ جہنّم میں ڈال دیئے جانے کا حکم ہوگا، اور وہ ڈال دیا جائے گا۔

میں نے جو احادیث آپ کو سنائی ہیں، ان سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جاہ طلبی، ناموری، نمائش جس کیلئے ہمارے دین کی اصطلاح ریا ہے، نیکی کے کام نہ آخرت میں موجبِ اجر و ثواب ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے غضب کے سزاوار قرار پائیں گے۔

اب آیئے ریاکاروں کے لئے قرآن مجید کا فیصلہ بھی سُن لیجئے، سورۃ الماعون میں فرمایا: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝
آیات ۴ - ۵ - ۶

پس ایسے نمازیوں کیلئے (آخرت میں) ہلاکت و بربادی ہے جو (اوّل تو) نماز کی طرف سے غفلت برتتے ہیں جو (اگر پڑھتے بھی ہیں تو) ریاکاری کرتے ہیں۔

ہر مسلمان سے قرآن حکیم کا مطالبہ یہ ہے کہ اُس کا رویّہ یہ ہونا چاہیئے کہ:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ

(اے نبی!) کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری

وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ (کی رضا) کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس بات کا حکم ملا ہے کہ مَیں سب سے اوّل اس کا فرماں بردار ہوں۔

رضائے الٰہی کے بجائے اگر مراسمِ عبادت کی بجاآوری اور بِرّ و تقویٰ کے اعمال کی انجام دہی میں مقصود و مطلوب، شہرت پسندی، جاہ طلبی، نام و نمود ہوجائے جو ریا ہی کے شجرۂ خبیثہ کے پھل ہیں تو یہ شرک ہے۔

شرک فی الرّضائے الٰہی یہی بات ایک طویل حدیث کے آخر میں حضورؐ کی طرف سے اس طرح منقول ہے کہ : قَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ لَا یَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا کَانَ لَہٗ خَالِصًا وَّ ابْتُغِیَ وَجْہُہٗ (ابوداؤد، نسائی)۔ :- "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اللہ عزّوجلّ صرف وہی عمل قبول کرے گا جو صرف اُسی کے لئے کیا گیا ہوگا اور اُسی کی رضا اور خوشنودی اس عمل کی حقیقی محرّک ہوگی۔"

اپنے دین سے کماحقہٗ واقف نہ ہونے کی وجہ سے عام طور پر ہم یہی سمجھتے ہیں کہ کسی بُت کے سامنے مراسمِ عبودیّت بجالانے یا کسی قبر کے سامنے سجدہ ریز ہونے یا کسی مادّی پیکر یا کسی بزرگ کی خیالی روح کے سامنے نذر و نیاز پیش کرنے کے عمل کا نام شرک ہے۔ اس کے شرک ہونے میں کوئی کلام نہیں اور یہ شرکِ جلی ہے۔ مَیں نے احادیث اور کتابُ اللہ سے جو حوالے ابھی دیئے ہیں، ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بِرّ و تقویٰ اور نیکی کے چوٹی کے اعمال بھی اگر ریاکاری کے لئے انجام دیئے جائیں تو اُن کا عمل کرنے والا حقیقتاً شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔ کیونکہ رضا اور خوشنودی اللہ کا حق ہے اور ریاء کرنے والا یہ حق غصب کرتا ہے۔ البتہ یہ شرک "شرکِ خفی" ہے۔ مبادا یہ غلط فہمی راہ پائے کہ "شرکِ خفی" ہلکے اور معمولی شرک کو کہتے ہیں لہٰذا اس مسئلہ کو یہیں صاف کر لیجئے۔ شرکِ خفی دراصل چھپے ہوئے شرک کو کہتے ہیں یعنی وہ شرک جس کا تعلّق نیّتوں سے ہوتا ہے اور نیّتوں کا حال اس دنیا میں کوئی نہیں جان سکتا۔ یہ تو آخرت میں ظاہر ہوگا۔ بس شرکِ خفی وہ شرک ہے جس کا تعلّق صرف نیّت سے ہے جس پر اس دنیا میں فتویٰ لگا کر کوئی حد و تعزیر جاری نہیں کی جاسکتی!

حسد نفس کی بیماریوں میں سے ایک موذی بیماری حسد بھی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ بغض و

عداوت نکلتا ہے۔ حسد نفس کے اس روگ کو کہتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کی اُن نعمتوں پہ کُڑھے جن سے اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور دل ہی دل میں یہ آرزو پالتا رہے کہ یہ نعمتیں اُس شخص سے چھن جائیں چاہے اسی کو ملیں یا نہ ملیں۔ اس سے اس کو کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ حاسد تو بس یہ چاہتا ہے کہ دوسرا ان نعمتوں سے محروم ہو جائے۔ یہ حسد پھر اس کو صاحبِ نعمت کی عداوت اور بغض میں مبتلا کر دیتا ہے۔ حسد کا نفسیاتی تجزیہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ حاسد دراصل اللہ تعالیٰ کی عطا پر راضی نہیں۔ اُس کے تحت الشعور میں دراصل اللہ تعالیٰ ایک ناانصاف اور غیر عادل ہستی ہے۔ یہ تصور اپنی روح کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے اور تسلیم و رضا کے بالکل منافی بلکہ اس کی ضد ہے۔ اس طرح تو حاسد گویا اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقابلے میں خود کو زیادہ منصف اور عادل سمجھتا ہے۔ اسی حسد کی وجہ سے یہود اسلام کی نعمت سے محروم رہے۔ وہ نبوّت و رسالت کو اپنا موروثی حق سمجھتے تھے۔ اسی لئے وہ نبوّت و رسالت کو بنی اسمٰعیل میں دیکھ کر حسد و عناد کی بیماری میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے اسی غیض و غضب کے اندھے جوش میں اللہ اور اس کے رسول کا مذاق اڑایا۔ دینِ حق کے چراغ کو اپنی زہریلی پھونکوں اور افواہوں سے بجھانا چاہا: يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ اور اس حد تک آگئے کہ مدّعیٔ توحید ہونے کے باوصف کھلے مشرکین کی حمایت و نصرت ہی پر بس نہیں کیا بلکہ مشرکانہ دین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ توحید اور دعوتِ عبادتِ ربّ کے مقابلے میں مبنی بر حق کہنے میں بھی عار محسوس نہیں کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسد کو آگ سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا ہے کہ جس طرح آگ ہر چیز کو جلا دیتی ہے اسی طرح حسد حسنات کو جلا دیتا ہے۔ اور ایک حدیث میں مسلمانوں کو اس حسد و عداوت سے بچنے کی نہایت دل نشیں اور بلیغ انداز میں تعلیم دی ہے۔ حضرت ابن زبیرؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

رُبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمْ : اَلْبَغْضَاءُ وَالْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَيْسَ حَالِقَةَ الشَّعْرِ وَلٰكِنْ حَالِقَةُ الدِّيْنِ، وَالَّذِيْ	تم میں تم سے پہلے کی اُمتوں کی بیماری عداوت و حسد بھی گھس آئے گی۔ عداوت تو جڑ سے کاٹ دینے والی شے ہے۔ یہ بالوں ہی کو نہیں مونڈتی بلکہ دین کو بھی مونڈ دیتی ہے۔

صراطِ مستقیم (نشری تقریر)

از ڈاکٹر اسرار احمد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

سورۂ یونس کی آیات ۴۱ تا ۴۶ کا ترجمہ یہ ہے: "اور (اے نبیؐ!) اگر یہ لوگ آپؐ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ کہہ دیں کہ میرا عمل میرے لئے ہے، اور تمہارا عمل تمہارے لئے۔ تم پر میرے اعمال کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور میں بری الذمہ ہوں تمہارے اعمال سے، ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو (اے نبیؐ!) آپ کی باتوں کو (بظاہر) بڑے دھیان سے سنتے ہیں، لیکن کیا آپ کے لئے ایسے بہروں کو سنانا ممکن ہے، جو عقل سے بالکل کام نہ لیتے ہوں۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جن کی نگاہیں (بظاہر) آپ کی جانب ہوتی ہیں، لیکن کیا آپ کے لئے ممکن ہے کہ اندھوں کو راہ دکھائیں اگرچہ وہ بصارت سے محروم ہوں۔ اللہ تو لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا، اصل میں لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ اور جس دن اللہ انہیں اکٹھا کرے گا وہ ایسے محسوس کریں گے جیسے کہ وہ (دنیا میں تو) بس دن کی ایک ساعت ہی رہے تھے (جس کی بنا پر) وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔ حقیقت میں بالکل نامراد ہوئے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے حضور میں حاضری سے انکار کیا اور ہدایت سے محروم رہ گئے! اور (اے نبیؐ!) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم آپ ہی کے سامنے لے آئیں اس (عذاب) کا کچھ حصہ جس کی دھمکی ہم ان (کافروں) کو دے رہے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہم آپ کو (اس سے قبل) وفات دے دیں۔ اور بالآخر تو ان کو ہماری طرف لوٹنا ہے، اور پھر اللہ بذاتِ خود ان کے اعمال پر گواہ ہے ہی۔"

ان آیات کا آغاز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے ذکر سے ہوا ہے۔ اس

ضمن میں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ اہل مکہ نے شخصاً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی جھوٹا نہیں کہا اور آپ کے بدترین دشمن بھی آپؐ کی صداقت و امانت کے پوری طرح قائل تھے۔ کفار اصل میں تکذیب قرآن کی کرتے تھے۔ یعنی یہ کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ یا تو خود آنحضورؐ کا کلام ہے یا کسی کاہن کا یا کسی جنّ کا جو آپؐ پر مُسلّط ہوگیا ہے چنانچہ سورۂ انعام کی آیت ۳۳ میں بھی آنحضورؐ کی دلجوئی کے لئے فرمایا کہ: "(اے نبیؐ!) ہمیں خوب معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کو رنج اور صدمہ پہنچتا ہے۔ لیکن آپ کیوں غمگین ہوتے ہیں جبکہ یہ بدبخت آپ کو تو جھوٹا نہیں کہہ رہے بلکہ ہماری آیات یعنی قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں!" — خود سورۂ یونس آیت ۱۵ میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے کہ:- "جب انہیں ہماری روشن اور تابناک آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جنھیں ہمارے حضور میں حاضری کا یقین نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ (اے محمدؐ!) یا تو اس قرآن کے بجائے کوئی اور قرآن پیش کرو، ورنہ اس میں ترمیم کر دو!" گویا اس کے بعد ہمارے اور تمہارے مابین کوئی نزاع نہیں رہے گا۔ اس لئے کہ اصل بنائے نزاع یہ قرآن ہے جو تم پیش کر رہے ہو — اسی طرح آیاتِ زیرِبحث سے متّصلاً قبل آیات ۳۷، ۳۸ میں فرمایا: "یہ قرآن ایسی کتاب ہے ہی نہیں جسے خدا کے سوا کوئی تصنیف کر سکے۔ بلکہ یہ تو تصدیق ہے ان آسمانی کتابوں کی جو اس سے پہلے موجود ہیں اور کامل تفصیل ہے کتابِ الٰہی کی اور کیا وہ کہتے ہیں کہ اسے خود انہوں نے (یعنی آنحضورؐ) نے گھڑ لیا ہے تو ان سے کہو کہ پھر تم بھی اس جیسی ایک سورت ہی گھڑ کر دکھا دو اور (اس کام میں مدد کے لئے) خدا کے سوا جس کو بھی تمہارے لئے ممکن ہو پکار لو اگر تم سچے ہو ...... !"

آیاتِ زیرِ گفتگو میں اس ضمن میں آنحضور کو دو ٹوک اعلانِ براُت کی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ آپ اُن کو زیادہ منہ نہ لگائیں اور نہ ہی اُن کے ناز و نخرے زیادہ برداشت فرمائیں بلکہ صاف صاف کہہ دیں کہ ان حقائق کے علی الرّغم اور اس چیلنج کو قبول نہ کر سکنے کے باوجود تم اس قرآن کو جھٹلاتے ہو تو مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں اُس کا اجر و ثواب میرے لئے ہے اور تمہارے اعراض و انکار کی پاداش خود تمہارے ہی سامنے آئے گی۔ خدا کے یہاں نہ مجھے تمہاری جانب سے جوابدہی کرنی ہے اور نہ ہی تم میری طرف سے جوابدہ ہوگے۔ یہ مضمون بالکل وہی ہے جو قرآنِ حکیم کی آخری سورتوں میں سے سورۂ کافرون میں شرح و

بسط اور بڑے ہی دو ٹوک انداز میں بیان ہوا۔ اور اس مضمون کی اہمیت پر یہی دلالت کافی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے ایک پوری سورت کا موضوع ٹھہرایا۔ اس لئے کہ دعوتِ حق کے دوران ایک مرحلہ وہ آکر رہتا ہے جب داعی کو اپنے مخاطبین سے واضح الفاظ میں اعلانِ برأت کرنا پڑتا ہے۔

اس کے بعد قرآنِ حکیم کے بہت سے دوسرے مقامات کے مانند یہاں بھی آنحضور ؐ کے اس ممکنہ احساس پر کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان لوگوں کے اعراض و انکار میں میری کسی کوتاہی یا تقصیر کو دخل ہو دلجوئی اور تسلّی و تشفّی کے انداز میں فرمایا کہ آپ ان کے ظاہر پر مت جائیں یہ لوگ عوام کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے کی خاطر اور ان پر اپنے خلوصِ اخلاص کا رعب گانٹھنے کے لئے بظاہر بہت بَن۔ٹھن کر آپ کے سامنے بیٹھتے ہیں اور نگاہوں کو آپ پر پوری طرح مرتکز کر کے بظاہر پورے دھیان کے ساتھ آپ کی باتوں کو سنتے ہیں — لیکن اصل میں اُن کی نیت میں فساد ہے اور فی الواقع یہ حق کے طالب نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں اور اُن پر مہر لگ چکی ہے۔ لہٰذا آپ یہ بظاہر بینا ہیں لیکن باطن اندھے ہیں اور بظاہر سنتے ہیں لیکن درحقیقت بہرے ہیں اور اب آپ خواہ کتنی بھی کوشش فرمالیں انہیں ہدایت نہیں مل سکتی۔ گویا ان کے اعراض و انکار کا سبب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ کی جانب سے فریضۂ دعوت و تبلیغ کی ادائیگی میں کوئی کمی رہ گئی ہے جس سے آپ کو تشویش ہو بلکہ اصل فساد ان کی اپنی نیت کا ہے جس کے باعث ان کی قبولِ حق کی استعداد ہی سلب ہو گئی ہے، اور یہ بھی اصلاً نتیجہ ہے اُن کی بداعمالیوں کا جن کے باعث ان کے دلوں پر زنگ لگ چکا ہے ؎ ’’کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ؁‘‘ — اس لئے کہ اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا۔ بلکہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔

آخری آیت میں ایک اور عظیم حقیقت کی نشاندہی کی یعنی یہ کہ ان کے اعراض و انکار کی دو سزائیں ہیں جو اُن کو لازماً ملیں گی — ایک اُخروی سزا یعنی خلود فی النّار۔ اس کے ضمن میں نقشہ کھینچ دیا گیا کہ اِس وقت جس حیاتِ دُنیوی اور اُس کی عارضی لذّتوں، اور مسرتوں میں یہ اِس درجہ مگن ہیں کہ ہمارے رسول ؐ اور ہمارے قرآن کی تکذیب سے بھی باز نہیں آتے۔ اُس روز انہیں ایسے محسوس ہوگا کہ جیسے وہ کُل زندگی ایک دن کی بھی ایک ساعت کے مانند تھی اور بس! اور ابد تک عذاب ہی عذاب کا سامنا ہے۔ اور دوسری سزا خود اِس

دنیا میں - اللہ کے اس اٹل قانون کے مطابق کہ رسولوں کی دعوت سے مُنہ موڑنے والوں کو دنیا ہی میں نیست و نابود کر دیا جاتا ہے جیسے قومِ نوحؑ، قومِ ہودؑ، قومِ صالحؑ قومِ لوطؑ قومِ شعیبؑ اور آلِ فرعون کے ساتھ ہو چکا ہے۔ اس دوسری سزا کے بارے میں وضاحت فرمائی کہ (اے نبیؐ!) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان پر یہ عذاب آپ کی حیاتِ طیبہ ہی کے دوران آجائے ـــــ گویا آپ بھی خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ جو دھمکی ہم نے انھیں دی تھی وہ پوری ہوئی، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صورت آپ کی وفات کے بعد ہو۔ بہر صورت ہو گی ضرور ـــ اس ضمن میں واضح رہے کہ یہ صورت آنحضورؐ کی حیاتِ طیبہ ہی کے دوران پیش آگئی۔ جس کا آغاز ہوا غزوۂ بدر سے جب قریشِ مکہ کے ستّر سرکردہ افراد مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے اور اُن کی لاشیں میدانِ بدر میں اس طرح پڑی نظر آئیں جیسے کھجور کے کٹے ہوئے تنے ہوں، اور جس کا اختتام ہوا اُس وقت جب جزیرہ نمائے عرب پر اللہ کا دین غالب ہو گیا ـــ اور سنہ ۹ھ میں اعلان کرا دیا گیا کہ اب سرزمینِ عرب میں کسی مشرک کو زندہ نہ چھوڑا جائے گا ـــــ

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

شرک اور اقسامِ شرک بقیہ از صفحہ ۱۶

نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى تَحَابُّوْا۔

قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تم جنت میں داخل نہ ہو سکو گے جب تک مومن نہ بنو اور تم مومن نہیں بن سکتے جب تک (بغض اور حسد سے بچ کر) باہمی محبت نہ کرو۔

حاصل کلام یہ کہ حاسد دراصل تسلیم و رضا کے خلاف ایک منفی جذبے کا دل کو روگ لگا کر ایک نوع کے شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو مالک الملک ہے اور منصف و عادل ہے، العزیز اور الحکیم ہے۔ انسان حسد کے ذریعے اُس تعالیٰ کی ان صفات پر عدمِ اطمینان کا اظہار کرتا ہے اور اُس کے اِس حق کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے کہ وہ مالک و آقا ہونے کے اعتبار سے جو نعمتیں کسی کو عطا کرے تو اُس کا عین الطاف ہے اور جس کو ان نعمتوں سے محروم کر دے تو وہ بھی اس کی حکمتِ بالغہ کا ایک مظہر ہے۔

مقامِ صحابہؓ

تحریر

محمد یونس جنجوعہ ایم۔ اے (علوم اسلامیہ) ایم۔ ایڈ

صاحب کے لغوی معنی دوست، ساتھی اور پیروکے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں صحابی اُن افراد کو کہا جاتا ہے جنھوں نے ایمان کی حالت میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور زندگی بھر اسلام پر قائم رہے۔ اس طرح عہدِ رسالت کے کافر، مشرک اور منافق لوگوں کو اصحابِ رسولؐ نہیں کہا جاتا۔

اصحابِ رسولؐ کا مقام انبیاء علیہم السّلام کے بعد سب سے بلند ہے کیونکہ انہوں نے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفاداری کا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے رسول پاکؐ کے اشاروں پر اپنی جانیں نچھاور کیں، دُکھ برداشت کئے، تکلیفیں جھیلیں اور اسلام کے پودے کو اپنے خونِ جگر کے ساتھ سینچا۔ صحابہ کرامؓ کی جاں نثاری کے واقعات تاریخ اسلام کے اوراق پر پھیلے ہوئے ہیں جن کو پڑھ کر غیر مسلم بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی غیر معمولی انسان تھے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے آقا کی اطاعت میں ایسے نقوش چھوڑے ہیں کہ کوئی دوسرا ان کی گردِ راہ کو بھی نہیں پا سکتا۔ رسولِ پاکؐ وضو کرتے تھے تو وہ پانی نیچے نہ گرنے دیتے تھے۔ وہ آپؐ کے اشارے پر کٹ مرنے کو فخر سمجھتے تھے۔ یہاں صرف دو حضرات کے واقعات سنتے جائیے۔

حضرت حنظلہؓ آنحضرتؐ کے ایک صحابی ہیں۔ ان کی شادی ہوئی، رات گزاری تو صبح غسل کی تیاری کر رہے تھے۔ کان میں خبر پڑی کہ مسلمانوں کو میدانِ اُحد میں شکست ہو رہی ہے۔ غسل کو چھوڑا اور اُسی وقت میدانِ کارزار کی طرف لپکے۔ خوب دادِ شجاعت دی — دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچا دی۔ بالآخر جامِ شہادت نوش کیا۔ جب اُن کو دفن کرنے لگے تو آنحضرتؐ نے فرمایا، میں دیکھتا ہوں کہ فرشتے حنظلہؓ کو غسل دے رہے ہیں حضرت مصعب بن عمیرؓ اسلام لانے سے قبل ناز و نعمت کی زندگی گزارتے تھے۔ نوجوان ہی تھے کہ گھر والوں سے چھپ کر مسلمان ہو گئے۔ گھر والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے باندھ دیا ایک

دن موقعہ پاکر بھاگ گئے۔ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی بعد ازاں ہجرتِ مدینہ سے بھی مشرف ہوئے اور زہد و فقر کی زندگی میں ناز و نعم والی زندگی سے زیادہ مسرور نظر آتے۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے دیکھا کہ اُن کی چادر میں کپڑے کی بجائے چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا۔ حضورؐ اُن کی پہلی اور اس حالت کا تذکرہ فرماتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے۔ جنگِ اُحد میں مہاجرین کا جھنڈا اُن کے ہاتھ میں تھا۔ ایک کافر نے تلوار کا وار کیا اور اُن کا ہاتھ کٹ گیا فوراً جھنڈے کو دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اُس نے پھر تلوار ماری اور دوسرا ہاتھ بھی کاٹ ڈالا۔ اُنہوں نے دونوں بازوؤں کو جوڑ کر سینہ سے جھنڈے کو چمٹا لیا تاکہ گر نہ جائے۔ بالآخر ایک تیر لگا اور آپ شہید ہو گئے۔ جھنڈا پھر ایک دوسرے شخص نے اُٹھا لیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خُدا کے حکم سے تبلیغ کا آغاز کیا تو گویا آپ نے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا۔ مکّہ کے لوگ آپؐ کے مخالف ہو گئے اور طرح طرح سے اذیتیں دینے لگے۔ اس حالت میں کوئی کمزور کردار کا انسان آپؐ کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ کیونکہ ہر شخص کو معلوم تھا کہ اسلام میں داخل ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینا دُنیا بھر کو دشمن بنا لینے کے مترادف ہے۔ چنانچہ اُس وقت جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے پیغمبرِ اسلامؐ کے ساتھ ہو کر مصیبت کے دن گزارے، کسی بھی وقت پھسلنے والے نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ شکور ہے وہ کسی کے صلے کو نہیں روکتا۔ اُس نے اپنی بے نیازی کے باوجود قرآنِ پاک میں اصحابِ رسولؐ کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کیا تاکہ قیامت تک نسلِ انسانی ان کو خراجِ تحسین پیش کرتی رہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اصحابِ رسولؐ کے ایمان کو سند کی حیثیت سے پیش کیا اور فرمایا کہ اس طرح ایمان لاؤ جس طرح لوگ یعنی "اصحابِ رسولؐ" ایمان لائے ہیں۔ گویا اصحابِ رسول کا ایمان بارگاہِ ربُّ العزت میں مقبول تھا۔

قرآن کے اوّلین مخاطب اہلِ مکّہ تھے۔ ان میں جو ایمان لاتے گئے، پیغمبرِ اسلامؐ کے ساتھی بنتے گئے۔ جب یہ ایک جماعت بن گئی تو اللہ تعالیٰ نے یوں خطاب فرمایا: "تم بہترین امّت ہو جو لوگوں کے لئے برپا کی گئی۔ تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور بُرائی سے روکتے ہو"۔ اگرچہ خیرِ اُمّت کے مصداق تمام صالح مسلمان ہیں تاہم اس اعزاز کے اوّلین مخاطب تو اصحابِ رسولؐ ہی ہیں۔

رسول پاکؐ کے ساتھیوں کی جماعت نے دین کی تعلیم براہِ راست پیغمبر علیہ السّلام

سے حاصل کی۔ اُس پر خود دیانت داری کے ساتھ عمل پیرا رہے اور وہی تعلیم بعد میں آنے والوں تک پہنچا دی دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ یہ صحابہ کرامؓ ہی ہیں جن کی بدولت قرآن ہم تک پہنچا اور ہم خدا اور اُس کے رسولؐ سے متعارف ہوئے۔ اس لحاظ سے ہر مسلمان جماعتِ صحابہؓ کا زیرِ بارِ احسان ہے کہ انہوں نے اسلام ہم تک پہنچایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ۔ (میرے اصحابی ستاروں کی مانند ہیں۔ پس جس کی پیروی تم کرو گے ہدایت پاؤ گے!) یعنی صحابہ کا عمل اُمّتِ مسلمہ کے لئے سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کے سامنے رسولِ پاکؐ کی پاکیزہ زندگی کا نمونہ موجود تھا۔ اور وہ خدا کے اس حکم کے مطابق کہ تمہارے لئے رسول اللہؐ کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔ ہر کام میں پیغمبر اسلامؐ کی اتباع کرتے تھے۔ اُن کے تمام کام حضورؐ کے نقشِ قدم کے مطابق تھے۔ مثال کے طور پر نماز ہی کو لیجئے۔ نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہونے رکوع و سجود کی کیفیت، قعدہ اور جلسہ کی حالت اور سلام پھیرنے کا طریقہ ہم پر بالکل واضح ہے، ہم نے صحابہؓ کی تعلیمات سے سیکھا ہے اور صحابہؓ کو یہ حکم تھا کہ "نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو!" آج ہماری نمازوں کے طریقہ ادائیگی کے صحیح ہونے کی دلیل یہی ہے کہ وہ صحابہؓ کی تعلیم اور نمونے کے مطابق ہوں۔ کیونکہ ان کا طریق بلاشبہ آنحضرتؐ کے نمونہ کے مطابق تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے رسولِ مقبولؐ کو ارشاد فرمایا کہ: "اُن سے مشورہ کیجئے!"۔ دستور یہ تھا کہ احکام و فرائض کا ذکر قرآنِ پاک میں آجاتا تھا۔ اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجاتا جس کی صورت قرآنِ پاک میں واضح نہ ہوتی تو حضورؐ اپنے صحابہؓ سے اُس کام کے بارے میں مشورہ لیتے اور قبول کرتے۔ نبی اکرمؐ کا اپنا فیصلہ حد درجہ صائب اور صحیح ہوتا تھا۔ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ سے اصحابِ رسولؐ کی فضیلت مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا: رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے!) یہ خطاب اصحابِ رسولؐ کو ہے۔ صحابہ کرامؓ کی جماعت نے اطاعتِ رسولؐ اور احکامِ خداوندی پر چلنے کا حق ادا کر دیا۔

بسر کریں۔ صحابہؓ نے اپنی زندگیاں محض رضائے خدا کے لیے وقف کی ہوئی تھیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ وہ اُس سے راضی ہو گئے۔ دراصل صحابہ کرامؓ کو خدا کی خوشنودی دلانے والا عمل یہ تھا کہ وہ ربّ سے راضی تھے ہر مشکل اور تکلیف کو جو وہ پیغمبرِ اسلامؐ کے شانہ بشانہ برداشت کرتے تھے، اُسے اللہ تعالیٰ کے علم و رضا کے مطابق جانتے تھے۔ تبھی تو کسی وقت گھبراتے اور خوف نہ کھاتے تھے۔ اُن کا اس بات پر گہرا یقین تھا کہ "کوئی مصیبت وارد نہیں ہوتی بجز اللہ کے حکم سے!" یہی صبر کا مقام ہے کہ انسان مصیبت میں اپنے جذبات کو بے قابو نہ ہونے دے۔ بڑے سے بڑے نقصان پر بھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے، بلکہ رضائے الٰہی سمجھ کر اُسے اپنے حق میں نہ صرف خدائی فیصلہ سمجھے بلکہ بہترین فیصلہ جانے اور یہ کہے کہ "ہم اللہ ہی کیلئے ہیں اور اُسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں!" صحابہ کرامؓ کی پوری زندگی میں خدا کے فیصلوں پر گہری رضامندی کا ظہور ملتا ہے۔ اور اسی کے صلے میں اُنہیں بارگاہِ صمدیت سے خوشنودی کا اعزاز ملا ہے۔ یہ اعزاز اُن ہی کا حصّہ ہے۔ کیونکہ آج تو بڑے سے بڑا عابد و زاہد بھی اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اُسے خدا کی خوشنودی حاصل ہے۔ اگر دعویٰ کرے گا تو دلیل کہاں سے لائے گا کیونکہ اعمال کی قبولیت اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں۔ مگر جس جگہ وہ اپنی رضا دے چکا وہاں خلاف کے وقوع کا کیا سوال! اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں وعدہ فرمایا ہے کہ وہ نبیوں کو رُسوا نہیں کرے گا۔ نبی تو خدا کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں، اُن کی رُسوائی تو منطقی طور پر خارج از امکان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کے ساتھ اُس کے ساتھیوں کی رُسوائی کی نفی کر کے اصحابِ رسولؐ کو عدمِ اہانت کی بشارت میں نبی کے ساتھ شریک ٹھیرا دیا ہے: یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ ۔ (جس دن اللہ رُسوا نہیں کرے گا نبی کو اور نہ ہی اُن ایمان والوں کو جو اُس کے ساتھ ہیں!) ظاہر ہے جو شخص فیصلہ کے دن رُسوائی سے بچ گیا وہ کامیاب ہوا اور اُس نے بڑی ہی فلاح پائی۔ گروہ صحابہؓ کے علاوہ بارگاہِ الٰہی سے اِس قسم کی بشارت بجز انبیاء علیہم السّلام کے کسی دوسرے کو نہیں ملی۔

یکم ذی قعدہ ۶ھ کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ منوّرہ سے مکّہ مکرّمہ کی طرف بقصد عمرہ سفر اختیار کیا۔ تقریباً ۱۵۰۰ مہاجرین اور انصار آپؐ کے ساتھ تھے۔

چونکہ ارادہ جنگ کا نہ تھا اس لئے کسی قسم کا سامانِ حرب ساتھ نہ لیا۔ صرف وہ ہتھیار لئے جو ایک مسافر کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچ کر سب نے احرام باندھا اور ایک شخص کو جاسوس بنا کر قریش کی خبر معلوم کرنے کے لئے آگے روانہ فرمایا جاسوس نے آکر اطلاع دی کہ قریشِ مکہ کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ہو چکی ہے اور انہوں نے مقابلہ کے لئے لشکر تیار کر لیا ہے۔ نیز ان کا ارادہ ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا تو وہ راستہ چھوڑ کر ایک دوسرا راستہ اختیار کیا اور حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ یہاں آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر رؤساءِ مکہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ انہیں بتائیں کہ مسلمانوں کا ارادہ جنگ کا ہرگز نہیں۔ اُن کے پاس جنگی ہتھیار بھی نہیں وہ تو صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے مکہ پہنچ کر قریش کو پیغام دیا۔ سب نے جواب دیا کہ اس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا، تم تنہا طواف کرنا چاہو تو کر لو۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ میں رسول اللہؐ کے بغیر کبھی طواف نہ کروں گا۔ اِس پر قریش خاموش ہو گئے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اپنے پاس روک لیا۔ اُدھر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ جب رسولِ پاکؐ کو یہ خبر پہنچی تو آپ کو سخت صدمہ ہوا اور فرمایا: "جب تک میں اُن سے بدلہ نہ لے لوں گا، یہاں سے حرکت نہ کروں گا!" اور وہیں ایک کیکر کے درخت کے نیچے اپنے ساتھیوں سے بیعت لینا شروع کر دی کہ جب تک جان میں جان ہے کافروں سے جہاد و قتال کریں گے۔ مر جائیں گے مگر بھاگیں گے نہیں۔ جب صحابہ کرامؓ پیغمبرِ اسلامؐ کے فرمان پر اپنی اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کا عہد کر رہے تھے تو ربُّ العزّت نے اُن کے حق میں رضامندی کی سند ان الفاظ میں عطا فرمائی:۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا (تحقیق اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جس وقت وہ آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ اُن کے دلوں میں اللہ، اور اُس کے رسولؐ کی محبت اور اخلاص جو کچھ بھرا ہوا ہے، وہ اللہ کو خوب معلوم ہے۔ پس اللہ نے اُن پر اپنی خاص سکینت (طمانیت) کو اُتار دیا اور انعام میں اُن کو قریبی فتح عطا فرمائی اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی غنیمتوں کو لیں گے اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔) تاریخ اسلام میں

اس بیعت کو "بیعتِ رضوان" کہتے ہیں۔ کیونکہ اس بیعت میں حصّہ لینے والے مسلمانوں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کی سند کا اعلان کیا ہے۔ حدیث میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "جس شخص نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے اُن میں سے کوئی جہنّم میں داخل نہیں ہوگا!" علّامہ ابن عبدالبر مقدّمہ استیعاب میں مذکورہ آیت کے تحت لکھتے ہیں: "اللہ جس سے راضی ہوگیا پھر اُس سے کبھی ناراض نہیں ہوگا۔ اِن شاءَ اللہُ تعالیٰ!" یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہمیشہ صحیح ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ گذشتہ، موجودہ اور آئندہ کے حالات سے پوری طرح واقف ہے۔ وہ صرف اُسی شخص کے حق میں اپنی رضا کا فیصلہ کرے گا جو آئندہ زمانے میں بھی کبھی رضاءِ الٰہی کے خلاف کوئی کام کرنے والا نہ ہوگا۔ یوں سمجھئے کہ کسی شخص کے لئے رضاءِ الٰہی کا اعلان اس بات کی ضمانت ہے کہ اس کا خاتمہ اور انجام بھی اسی حالتِ صالحہ پر ہوگا اور اس سے رضاءِ الٰہی کے خلاف کوئی کام آئندہ سرزد نہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا یہ فیصلہ اُن لوگوں کے وقتی حالات کے لئے تھا بعد میں اُن کے حالات خراب ہو گئے اس لئے وہ اس انعام و اکرام کے مستحق نہیں رہے تو بات حد درجہ نامعقول اور بے وزن ہے۔ کیونکہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شروع میں انجام سے بے خبری کی وجہ سے رضا کا اعلان کر دیا اور بعد میں یہ حکم بدل گیا۔ نعوذ باللہ منہ!

بیعتِ رضوان سے تقریباً چار سال پہلے غزوۂ بدر پیش آیا جو کفر اور اسلام کے درمیان پہلا معرکہ تھا۔ اور اس لحاظ سے بڑی اہمیّت کا حامل تھا کہ اس میں مسلمانوں کی ناکامی اسلام کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتی۔ اسلام اپنے ابتدائی مراحل میں تھا، مسلمان لُٹ پُٹ کر ابھی پچھلے سال مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے اور مدینہ کے مٹھی بھر مسلمانوں نے مہاجر بھائیوں کی اعانت میں اُن کو اپنے گھروں اور کاروباروں میں شریک کر لیا تھا۔ کیونکہ معاشی اعتبار سے بھی مسلمانوں کی حیثیت بہت کمزور تھی۔ تعداد کے لحاظ سے شریکِ جنگ مسلمان صرف تین سو تیرہ تھے اور ان کے پاس بھی صرف دو گھوڑے اور ستّر اونٹ تھے اور اسلحہ بھی برائے نام تھا۔ اِدھر کفّار کے لشکر میں ایک ہزار افراد وافر سواریوں اور بہت زیادہ سامانِ اسلحہ رکھتے تھے ہر عقل مند آدمی سمجھ سکتا ہے کہ کردار اور عمل کے اعتبار سے تین سو تیرہ مجاہد کس درجہ عظیم تھے۔ خدا اور رسولؐ کے فرمان کو وہ کس قدر اہم سمجھتے تھے۔ ان مجاہدین کو معلوم تھا کہ

مدِّ مقابل کی تعداد اور قوّت اُن سے کئی گُنا زیادہ ہے۔ یہ مجاہدین میدانِ جنگ سے جانیں سلامت واپس لانے کیلئے نہیں گئے تھے۔ بلکہ وہ اپنی جانوں کے عوض خدا کی رضا خرید چکے تھے: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۝ (بے شک اللہ نے مسلمانوں سے اُن کے مال اور جان خرید لئے ہیں۔ اِس بدلے پر کہ اُن کیلئے جنّت ہے۔ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں پس مارتے ہیں اور مرتے ہیں!) ــــ میدانِ جنگ میں اُترنے والے یہ صحابیؓ خدا کے حکم اور اس کے نبیؐ کی اطاعت میں مال اور جان فدا کرنے کیلئے آئے تھے، کسی قسم کی دُنیاوی غرض پیشِ نظر نہ تھی۔ رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "تحقیق اللہ نے اہلِ بدر کی طرف نظر فرمائی اور یہ کہہ دیا: اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ ؕ (جو چاہو کرو، جنّت تمہارے لئے واجب ہو چکی ہے!)" [بخاری شریف۔ مسند احمد۔ سُنن ابی داؤد۔ ابنِ ابی شیبہ]۔ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ سے اہلِ بدر کو گناہوں کی اجازت دینا مقصود نہیں بلکہ ان کے صدق و اخلاص کو ظاہر کرنا ہے، کہ ربّ العزّت کی بارگاہ میں اہلِ بدر کی مخلصانہ جانبازی اور محبّانہ اور والہانہ سرفروشی مسلّم ہو چکی ہے۔ مرتے دم تک یہ لوگ اسلام کے ساتھ وفادار رہیں گے اور بڑی سے بڑی آزمائش اُن کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکے گی۔ اُن کے دل خدا اور رسولؐ کی محبّت اور اطاعت سے لبریز ہیں۔ معصیّت اور نافرمانی اُن کے قلوب اور اذہان میں کوئی جگہ نہ پائے گی، ہاں اگر بشری تقاضوں کے تحت اُن سے کسی وقت کوئی لغزش ہو جائے گی تو فوراً توبہ و استغفار کی طرف رجوع کریں گے اور ربّ العزّت کے حضور اس قدر تضرّع اور ابتہال کریں گے کہ ان کی معصیّت اجرِ عظیم میں بدل جائیگی كَمَا وَعَدَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝

صحابہ کرامؓ کے اِن جملہ فضائل کے باوجود تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلافات اور رنجشیں موجود تھیں۔ بلکہ اُن کے درمیان خونریز جنگیں بھی لڑی گئیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ صحابہؓ کے یہ مشاجرات اُن کے فضائل کا ساتھ کیسے دے سکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو تاریخی روایات لاریب نہیں ہیں جبکہ صحابہ کرامؓ کے فضائل اُس کتاب میں درج ہیں جو لَا رَيْبَ فِيْهِ ہے۔ اگر متعصّبانہ فیصلہ کرنا ہو تو تاریخی روایات پر اعتماد کر کے قرآنی آیات سے رُوگردانی کرنا ہوگی۔ لیکن صحیح فیصلہ

یہ ہوگا کہ قرآنی آیات دربارہ فضائلِ صحابہؓ بھی پیشِ نظر رہیں اور تاریخی حوالے بھی سامنے رہیں اور حالات کی ایسی تاویل کی جائے کہ مستند تاریخی حقائق سے بھی صرفِ نظر نہ کیا جائے اور کتاب و حکمت کے فیصلوں کا بھی ابطال نہ ہو۔

صحابہ کرامؓ انسان تھے اور انسانوں میں انبیاءِ کرام کے علاوہ کوئی بھی معصوم نہیں ہے۔ تاہم صحابہ کرامؓ اور عام انسانوں میں فرق یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کا ہر عمل نیک نیتی حسنِ اخلاص اور حصولِ رضائے الٰہی کے جذبے سے تھا۔ کیونکہ انہوں نے انسانِ کامل علیہ السلام سے رُو در رُو تعلیم پائی تھی اور جذبات پر قابو پانے کا ڈھنگ سیکھا تھا، اور تربیت حاصل کی تھی۔ جبکہ عام انسان خلوص کے اس اعلیٰ مقام تک کبھی نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی اس قدر بے غرض ہو سکتا ہے جس قدر اصحابِ رسولؐ اپنی ذات کیلئے تھے۔ اگر صحابہ کرامؓ میں سے دوؓ نے کسی معاملہ میں ایک دوسرے کی مخالفت کی ہے تو ان میں سے ہر ایک کی غرض رضائے الٰہی تھی۔ کیونکہ ایسا بھی ممکن ہے کہ دو آدمی ایک دوسرے کے برعکس کام کریں۔ لیکن دونوں خلوصِ نیت کی بنا پر اجر کے مستحق ٹھہریں۔ اس کی بہترین مثال ان دو صحابیوں کی ہے جن میں سے ایک نے مسجدِ نبوی کے باہر ایک لکڑی گاڑ دی۔ تاکہ اگر کوئی شخص گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تو اپنا گھوڑا اس کے ساتھ باندھ کر اطمینان کے ساتھ مسجد کے اندر نماز ادا کر سکے۔ دوسرے صحابیؓ نے جب مسجد کے دروازہ کے باہر لکڑی گاڑی ہوئی دیکھی تو اکھاڑ کر پھینک دی کہ جو لوگ مسجد میں نماز ادا کرنے کیلئے آئیں گے وہ اس سے ٹھوکر کھا جائیں گے۔ معاملہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ نے دونوں کو اس بنیاد پر اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا کہ دونوں کی نیت اچھی تھی۔ آج جو مسلمان صحابہ کرامؓ کے ساتھ اس قدر عقیدت رکھتے ہیں، تو اس کی بنیاد بھی اسی بات پر ہے کہ قرآن و حدیث میں جابجا اللہ اور اُس کے رسولؐ نے صحابہ کرامؓ کی مجموعی طور پر تعریف و توصیف کی ہے اور انہیں پسندیدہ افراد قرار دیا ہے۔ اب کون مسلمان ہے جو خدا اور اس کے صادق و امین رسولؐ کے فیصلے پر تنقید کی جرأت کر سکتا ہے۔ تنقید تو بڑی بات ہے کوئی شخص اُس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا، جب تک وہ رسولِ خداؐ کے کئے ہوئے فیصلے کو بطیبِ خاطر قبول نہ کرے۔ اگر رسولِ خداؐ کے فیصلے پر اُس کے دل میں ذرا بھی بے اطمینانی پیدا ہوا تو وہ مسلمان ہی نہ رہا۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ سے جو غلطیاں، خطائیں یا گناہ سرزد ہوئے ان کی کیا نوعیت تھی اور ان غلطیوں نے ان کی شخصیت کو کس حد تک متأثر کیا۔ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ انسان تھے اور اُن سے غلطی کا صدور ممکن ہے۔ لیکن جب بھی غلطی ہونے کے بعد انہیں اس کا احساس ہوا۔ انہوں نے خدا کے حضور گڑگڑا کر معافی مانگ لی اور قرآن پاک گواہ ہے کہ اُنہیں معافی مل گئی۔ آج بھی ہر شخص کے لئے بارگاہِ ربّ العزّت کے ہاں توبہ کی پوری گنجائش موجود ہے۔ گناہ گار گناہ کے بعد توبہ بھی کر رہے ہیں لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی توبہ نے شرفِ قبولیّت پایا۔ یہ برتری اور سعادت صرف صحابہ کرام ہی کو ہے کہ انہوں نے اپنے قصور کا اعتراف کیا۔ سرکارِ دو عالم کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہی اور زندۂ جاوید کتاب میں ان کی توبہ کی قبولیّت کا اعلان کر دیا گیا۔ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ۔

ابو لبابہؓ بن عبد المنذر بیعتِ عقبہ کے موقعہ پر ہجرتِ مدینہ سے قبل اسلام لائے تھے۔ انہوں نے جنگِ بدر اور جنگِ اُحد میں شرکت کی۔ دوسرے غزوات میں بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ شریکِ جہاد رہے، مگر غزوۂ تبوک کے موقعہ پر نفس کی کمزوری نے غلبہ کیا اور یہ کسی شرعی عذر کے بغیر پیچھے رہ گئے۔ اُن کے ساتھ چھ دوسرے مخلص افراد بھی انہی کی طرح پیچھے رہ گئے۔ جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو ابو لبابہؓ اور اُن کے دوسرے چھ ساتھیوں کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ناراضگی برداشت کرنے کا چارہ نہ تھا۔ انہوں نے پیغمبرِ اسلام کی طرف سے کسی قسم کی باز پُرس سے پہلے ہی خود کو ایک ستون کے ساتھ باندھ کر عہد کر لیا کہ ہم اُس وقت تک نہ کھائیں گے، نہ پئیں گے اور نہ ہی آرام کریں گے، جب تک ہمیں ہماری کوتاہی پر معافی نہ مل جائے یا پھر ہم اُسی حال میں مر جائیں گے۔ چنانچہ کئی روز وہ اسی طرح بے حواب اور بھوکے پیاسے بندھے رہے حتیٰ کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اُن کی توبہ کی کیفیت معلوم ہو گئی، اور خالقِ دو جہاں نے اُن کی معافی کی خبر بذریعہ وحی رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بتا دی۔ آخر کار انہیں بتایا گیا کہ تمہاری توبہ قبول ہو گئی ہے اور خدا اور رسولؐ نے تمہیں معاف کر دیا ہے تو انہوں نے اپنے کو کھول کر چین کا سانس لیا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ہماری توبہ میں یہ

بھی شامل ہے کہ ہم اپنے سارے مال خدا کی راہ میں صدقہ کر دیں جن کی محبت نے ہمیں فرض سے غافل کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سارا مال دینے کی ضرورت نہیں صرف ایک تہائی کافی ہے۔ چنانچہ وہ انہوں نے اسی وقت فی سبیل اللہ وقف کر دیا۔

حضرت کعبؓ بن مالک، ہلالؓ بن اُمیّہ اور مُرارہؓ بن رُبیع کا واقعہ بھی بالاجمال سُورۃ توبہ میں مذکور ہے اور اُس کی تفصیل مُفسّرینِ کرام نے احادیث کی روشنی میں لکھی ہے۔ شیخ الاسلام علاّمہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس واقعہ کو بحوالہ بخاری شریف میں حضرت کعبؓ بن مالک کی زبانی اس طرح لکھا ہے: "حضرت کعبؓ بن مالک فرماتے کہ تبوک کی مہم چونکہ بہت سخت اور دُشوار گزار تھی، حضورؐ نے صحابہؓ کو عام حُکم تیاری کا دیا۔ لوگ مقدور و استطاعت کے موافق سامانِ سفر درست کرنے میں مشغول تھے، مگر میں بے فکر تھا کہ جب چاہوں گا فوراً تیار ہو کر ساتھ چلا جاؤں گا۔ کیونکہ بفضلِ ایزدی اُس وقت ہر طرح کا سامان مجھ کو میسّر تھا۔ ایک چھوڑ دو سواریاں میرے پاس موجود تھیں۔ میں اسی غفلت کے نشہ میں رہا۔ اُدھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس ہزار مجاہدینِ اسلام کو کُوچ کا حکم دے دیا۔ مجھے اب بھی یہ خیال تھا کہ حضورؐ روانہ ہو گئے تو کیا ہے اگلی منزل پر آپؐ سے جا ملوں گا۔ آج چلوں، کل چلوں، اسی امروز و فردا میں وقت نکل گیا۔ حضورؐ نے تبوک پہنچ کر فرمایا: **مَا فَعَلَ كَعْبُ بْنُ مَالِك** (کعب بن مالک کو کیا ہوا) بنی سلمہ کا ایک شخص بولا۔ یا رسولؐ اللہ! اُس کو عیش پسندی اور اعجاب و غرور نے نکلنے کی اجازت نہ دی۔ معاذؓ بن جبل نے کہا کہ تو نے بُری بات کہی۔ خدا کی قسم ہم نے اُس میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ حضورؐ یہ گفتگو سن کر خاموش رہے۔ کعبؓ کہتے ہیں کہ آپؐ کی تشریف آوری کے بعد بہت زیادہ وحشت اِس سے ہوئی تھی کہ سارے مدینہ میں پکّے منافق یا معذور مسلمان کے سوا مجھے کوئی مرد نظر نہ پڑتا تھا۔ بہرحال اب دل میں طرح طرح کے جھوٹے منصوبے گانٹھنے شروع کئے کہ آپؐ کی واپسی پر فلاں عذر کر کے جان بچا لوں گا۔ مگر جس وقت معلوم ہوا کہ حضورؐ خیر و عافیت سے واپس تشریف لے آئے۔ دل سے سارے جھوٹ، فریب محو ہو گئے اور طے کر لیا کہ سچ کے سوا کوئی چیز اس بارگاہ میں نجات دلانے والی نہیں۔ حضورؐ مسجد میں رونق افروز تھے، اصحابؓ کا مجمع تھا۔ منافقین جھوٹے حیلے بہانے بنا کر ظاہری گرفت سے چھوٹ رہے تھے، کہ میں حضورؐ کے سامنے آیا۔ میرے سلام کرنے پر آپؐ

نے غضب آمیز تبسم فرمایا اور غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔ مَیں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر اس وقت میں دنیا والوں میں سے کسی دوسرے کے سامنے ہوتا تو آپؐ دیکھتے کہ کس طرح زبان زوری اور چرب لسانی سے جھوٹے حیلے حوالے کرکے اپنے کو صاف بچا لیتا۔ مگر یہاں تو معاملہ ایک ایسی ذات مقدس سے ہے جسے جھوٹ بول کر اگر مَیں راضی بھی کرلوں تو تھوڑی دیر کے بعد خدا اُس کو سچی بات پر مطلع کرکے مجھ سے ناراض کردے گا۔ برخلاف اس کے سچ بولنے میں گو تھوڑی دیر کے لیے آپؐ کی خفگی برداشت کرنی پڑے گی۔ لیکن اُمید کرتا ہوں کہ خدا کی طرف سے اس کا انجام بہتر ہوگا اور آخر کار سچ بولنا ہی مجھے خدا اور رسولؐ کے غصہ سے نجات دلائے گا۔ یا رسول اللہ! واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس غیر حاضری کا کوئی عذر نہیں جس وقت حضورؐ کی ہمرکابی کے شرف سے محروم ہوا۔ اُس وقت سے زیادہ فراخی اور مقدرت کبھی مجھ کو حاصل نہ ہوئی تھی۔ مَیں مجرم ہوں آپؐ کو اختیار ہے جو فیصلہ چاہیں میرے حق میں دیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ شخص ہے جس نے سچی بات کہی۔ اچھا جاؤ اور خدائی فیصلہ کا انتظار کرو۔ مَیں اُٹھا اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ (ہلالؓ بن امیہ، اور مرارہؓ بن الربیع) یہ دو شخص بھی میرے ہی جیسے ہیں۔ ہم تینوں کے متعلق آپؐ نے حکم دے دیا کہ کوئی ہم سے بات نہ کرے، سب علیحدہ رہیں۔ چنانچہ کوئی مسلمان ہم سے بات نہ کرتا تھا نہ سلام کا جواب دیتا تھا۔ وہ دونوں تو خانہ نشیں ہوگئے۔ شب و روز گھر میں وقف گریہ و بکا رہتے تھے۔ مَیں ذرا سخت اور قوی تھا، مسجد میں نماز کیلئے حاضر ہوتا۔ حضورؐ کو سلام کرکے دیکھتا تھا کہ جواب میں لب مبارک کو حرکت ہوئی یا نہیں۔ جب مَیں حضورؐ کی طرف دیکھتا آپؐ میری طرف سے مُنہ پھیر لیتے تھے۔ مخصوص اقارب اور محبوب ترین اعزہ بھی مجھ سے بیگانہ ہوگئے تھے۔ اسی اثنا میں ایک روز ایک شخص نے شاہ "غسان" کا خط مجھے دیا جس میں میری مصیبت پر اظہارِ ہمدردی کرنے کے بعد دعوت دی تھی کہ مَیں اُس کے ملک میں آجاؤں۔ وہاں میری بہت آؤ بھگت ہوگی۔ مَیں نے پڑھ کر کہا یہ بھی ایک مستقل امتحان ہے۔ آخر وہ خط مَیں نے نذرِ آتش کردیا۔ چالیس دن گزرنے کے بعد بارگاہِ رسالتؐ سے جدید حکم پہنچا کہ مَیں اپنی عورت سے بھی علیحدہ رہوں۔ چنانچہ اپنی بیوی کو کہہ دیا کہ اپنے میکے چلی جائے۔ اور جب تک خدا کے یہاں سے میرا کوئی فیصلہ ہو، وہیں ٹھہری رہے۔ سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آگئی تو حضورؐ میرا جنازہ نہ پڑھائیں گے اور فرض

کیجئے ان دنوں میں آپؐ کی وفات ہوگئی تو مسلمان ہمیشہ یہی معاملہ مجھ سے رکھیں گے۔ میری میت کے قریب بھی کوئی نہ آئے گا۔ غرض پچاس دن اسی حالت میں گزرے کہ خدا کی زمین مجھ پر باوجود فراخی کے تنگ تھی۔ بلکہ عرصۂ حیات تنگ ہوگیا تھا۔ زندگی موت سے زیادہ سخت معلوم ہوتی تھی کہ یکایک جبل سلع سے آواز آئی "یا کعبؓ بن مالک! ابشر" (اے کعبؓ بن مالک خوش ہوجا) میں سنتے ہی سجدے میں گر پڑا۔ معلوم ہوا کہ اخیر شب میں حق تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر علیہ السلام کو خبر دی گئی کہ ہماری توبہ مقبول ہے۔ آپؐ نے بعد نماز فجر صحابہؓ کو مطلع فرمایا۔ ایک سوار میری طرف دوڑا کہ بشارت سنائے مگر دوسرے شخص نے پہاڑ پر زور سے للکارا۔ اُس کی آواز سوار سے پہلے پہنچی اور میں نے اپنے بدن کے کپڑے اتار کر آواز لگانے والے کو دیئے۔ پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوگ جوق در جوق آتے اور مجھے مبارک باد دیتے تھے۔ مہاجرین سے حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہوکر مصافحہ کیا۔ حضورؐ کا چہرہ خوشی سے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا، خدا نے تیری توبہ قبول فرمائی۔ میں نے عرض کیا اس توبہ کا تتمہ یہ ہے کہ اپنا کل مال و جائیداد خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ سب نہیں کچھ اپنے لئے روکنا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے خیبر کا حصہ الگ کرکے باقی مال صدقہ کردیا۔ چونکہ محض سچ بولنے سے مجھ کو نجات ملی تھی اس لئے عہد کیا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ آئندہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا۔ اِس عہد کے بعد بڑے سخت امتحانات پیش آئے مگر الحمدللہ! میں سچ کہنے سے کبھی نہ ہٹا اور نہ اِن شاء اللہ تا زیست ہٹوں گا۔"

ابولبابہؓ بن ابن المنذر، اُن کے چھ ساتھیوں اور کعبؓ بن مالک اور اُن کے دو ساتھیوں کے مذکورہ بالا دونوں واقعات سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب رسولؐ منزہ عن الخطا نہ تھے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے جب خطا کے بعد خدا کے حضور سچے دل کے ساتھ توبہ کی تو بارگاہِ صمدیت سے اُن کی توبہ قبول ہوئی اور اُن کی خطا کی معافی کا اعلان قرآن پاک میں کردیا گیا۔ جب خدا نے اُن کے خلوص اور اخلاص کے پیشِ نظر اُن کو معاف کردیا تو اب کون ہے جو خدائی فیصلے کے موجود ہوتے ہوئے صحابہ کرامؓ کو خطاکار کہے۔

ابولبابہؓ اور کعبؓ بن مالک کے واقعات سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ قرآن پاک میں سورۃ الممتحنہ میں ایک بدری صحابی حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا ہے۔ صلح حدیبیہ دو سال قائم رہی،

بعد ازاں کفارِ مکّہ کی طرف سے ٹوٹ گئی۔ تب آنحضرتؐ نے خاموشی کے ساتھ مکّہ فتح کرنے کا ارادہ کر لیا اور تیاری میں لگ گئے اور اس بات کو خفیہ رکھا تاکہ کفارِ مکّہ اطلاع پاکر لڑائی کا سامان نہ شروع کر دیں اور اس طرح حرم شریف میں لڑنا ناگزیر ہو جائے۔ حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے مکّہ والوں کو خط لکھ بھیجا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر اندھیری رات اور سیلِ بے پناہ کی مانند تم پر ٹوٹنے والا ہے۔ حضورؐ کو بذریعہ وحی اس بات کا علم ہو گیا، آپؐ نے حضرت علیؓ اور چند دوسرے صحابہؓ کو حکم دیا کہ فلاں مقام پر ایک عورت مکّہ کی طرف سفر کرتی ہوئی جا رہی ہے اور اُس کے پاس ایک خط ہے وہ اُس سے لے کر آؤ۔ صحابہ کرامؓ تیزی کے ساتھ روانہ ہو گئے اور اُس عورت کو پا لیا اور اُس سے خط کا مطالبہ کیا۔ اس نے بہت لیت و لعل کی مگر ڈرانے دھمکانے پر خط اُن کو نکال کر دے دیا۔ خط حضورؐ کے پاس پہنچ گیا۔ پڑھنے پر معلوم ہوا کہ حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے یہ رقعہ کفارِ مکّہ کے نام بھیجا تھا جس میں انہیں حضورؐ کی جنگی تیاریوں کی اطلاع دی تھی۔ آپؐ نے حاطبؓ کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے جواب دیا:—

"یا رسول اللہ! نہ میں نے کفر کیا ہے اور نہ اسلام سے پھرا ہوں، سچی بات یہ ہے کہ میرے اہل و عیال مکّہ میں ہیں، وہاں اُن کی حمایت کرنے والا کوئی نہیں۔ میں نے کافروں پر ایک احسان کر کے یہ چاہا کہ وہ لوگ اس کے معاوضہ میں میرے اہل و عیال کی خبر لیتے رہیں اور اُن سے اچھا سلوک کریں۔ فتح و نصرت کے جو وعدے اللہ نے آپؐ سے کئے ہیں، وہ یقیناً پورے ہو کر رہیں گے، کسی کے روکے رک نہیں سکتے۔" آنحضرتؐ نے سن کر حاضرین سے فرمایا: "حاطبؓ نے تم سے سچی بات کہی ہے!" حضرت عمرؓ نے اُٹھ کر کہا "یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن مار دوں، اُس نے اللہ اور اُس کے رسولؐ اور مسلمانوں سے خیانت کی ہے!" حضورؐ نے فرمایا: "اُس شخص نے جنگِ بدر میں حصّہ لیا ہے، تمہیں کیا خبر! ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو ملاحظہ فرما کر کہہ دیا ہو کہ تم خواہ کچھ بھی کرو میں نے تم کو معاف کیا۔" یہ بات سُن کر حضرت عمرؓ رونے لگے اور انہوں نے کہا اللہ اور اُس کے رسول ہی سب سے بہتر جانتے ہیں۔

قرآنِ پاک سے ماخوذ ان مثالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اصحابِ رسول تقرّب اِلی اللہ کے اُس مقام پر فائز تھے کہ اُن سے خطائیں اور گناہ بشری تقاضوں کے تحت صادر تو ضرور ہوئے، لیکن بارگاہِ خداوندی میں اُن کے بلند مقام میں فرق نہ آیا اور وہ برابر خدا اور اس کے رسولؐ کے نزدیک پسندیدہ افراد رہے۔ اللہ تعالیٰ شکور ہے اُس نے اصحابِ رسولؐ کو یہ

فضیلت اُن کے خلوص اور اخلاص کے پیشِ نظر دی کہ اُنہوں نے دنیا و مافیہا کو رضائے الٰہی کے مقابلہ میں ہر وقت ہیچ سمجھا اور اپنی پُوری زندگی اسلام کی خاطر سر پر کفن باندھے رکھا۔

آنحضرتؐ کے منظورِ نظر صحابہؓ کی غلطی بعض اوقات پُوری اُمّت کیلئے رحمت ثابت ہوئی۔ اوّل اوّل رمضان کے روزے کا حکم اس طرح تھا کہ رات کو ایک دفعہ آنکھ لگ جائے تو پھر پُوری رات مباشرت کی اجازت نہ تھی۔ چند صحابہ کرامؓ سے اِس حکم کی پابندی نہ کی جا سکی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پُوری اُمّت کیلئے اس شرط کو نرم کر دیا اور قرآنِ پاک میں حکم آگیا کہ: (رمضان شریف کی) راتوں میں تم اپنی عورتوں کے ساتھ بے حجاب ہو سکتے ہو!"

کیا اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ پُوری اُمّت کو یہ سہولت صحابہ کرامؓ کی غلطی ہی کے پیشِ نظر ملی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ غفورٌ رّحیم ربّ کا رسول رحمۃٌ للعالمینؐ ہے اور آپؐ کے ساتھی اُمّت کے جُملہ افراد کے لئے رحمت ہیں۔

حُضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے عرفات کے میدان میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک عظیم اجتماع کو خطاب کر کے فرمایا: "حاضرین میری یہ باتیں غائبین تک پہنچا دیں!" صحابہ کرامؓ نے آنحضرتؐ کے فرمودات کمال احتیاط سے آگے پہنچائے۔ قرآن و حدیث اور سُنّتِ رسولؐ صحابہ کرامؓ ہی کی بدولت ہم تک پہنچے ہیں۔ انصاف سے دیکھا جائے تو ہر زمانے کے مسلمان جہاں خدا اور اُس کے رسولؐ کے احسان مند ہیں، وہاں صحابہ کرامؓ کے زیرِ بارِ احسان ہیں کہ انہوں نے کمال دیانت کے ساتھ دین کی یہ امانت اپنے سے بعد والوں تک پہنچائی۔ صحابہ کرامؓ کو اپنے آقا و مولیٰ سے اس قدر محبّت تھی کہ وہ آپؐ کے وضو کا مستعمل پانی بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے اور اپنے چہروں اور سینوں پر مل لیتے تھے۔ اُن کے نزدیک حضورؐ کی ذاتِ مقدّس دین اور دنیا کی ہر نعمت سے بڑھ کر تھی۔ اِس کی تائید میں کُتبِ سیر و احادیث کا مطالعہ اطمینان کا باعث ہوگا۔ یہاں چند احادیث لکھی جاتی ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ خود آنحضرتؐ کے نزدیک صحابہ کرامؓ کا کیا مقام تھا۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اپنے سب بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم ان سب قلوب میں بہتر پایا، اُن کو اپنی رسالت کیلئے مقرّر کر دیا۔ پھر قلبِ محمّدؐ کے بعد دوسرے قلوب پر نظر فرمائی تو اصحابِ محمّدؐ کے قلوب کو دوسرے سب بندوں کے قلوب سے بہتر پایا اُن کو اپنے نبیؐ کی صحبت اور دین کی نصرت

کے لئے پسند کر لیا۔" (مشکوٰۃ)

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ پاکؐ نے فرمایا اُس مسلمان کو آگ نہ چھوئے گی جس نے مجھ کو دیکھا ہو یا اُس شخص کو دیکھا ہو جس نے مجھ کو دیکھا ہو۔ (مشکوٰۃ باب مناقب صحابہؓ)

حضرت عمران بن حُصینؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری اُمت کے بہترین لوگ میرے قرن کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ بہتر ہیں جو اُن سے متصل و پیوستہ ہیں، پھر وہ لوگ بہتر ہیں جو اُن سے متصل ہیں ..... الخ

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اصحاب کو بُرا نہ کہو اس لئے کہ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر (خدا کی راہ میں) خرچ کرے تو صحابی کے ایک مُد یا آدھے مُد کے ثواب کے برابر بھی اس کا ثواب نہ ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

آنحضرتؐ نے اپنے ساتھیوں کے فضائل جس قدر بیان کئے ہیں، اُن کا اِس مضمون میں احاطہ ممکن نہیں۔ جن افراد کو حضورؐ نے اپنی معیّت کے لئے منتخب فرمایا وہ اپنی قسمت پر جس قدر بھی ناز کریں کم ہے۔ دس صحابیوں کے نام لے کر آپؐ نے اُنہیں جنّت کی بشارت دی، اُن کے نام یہ ہیں:۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زُبیرؓ، حضرت سعدؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراحؓ، حضرت سعید بن زیدؓ۔ اِن حضرات کو عشرۂ مبشّرہ کہتے ہیں۔ حضرت سعید بن زیدؓ فرماتے ہیں، خدا کی قسم صحابہ کرامؓ میں سے کسی شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جہاد میں شریک ہونا جس میں اُس کا چہرہ غُبار آلود ہو جائے، غیر صحابہ سے ہر شخص کی عمر بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔ اگرچہ اُس کو عمرِ نوح علیہ السّلام عطا ہو جائے۔ [جمع الفوائد ص ۴۹۲ ج ۲ طبع مصر]۔

جماعتِ صحابہؓ میں فضیلت کے اعتبار سے خلفائے راشدینؓ کا مقام سب سے بلند ہے اور وہ بلاشبہ انبیاء کے بعد مخلوقات میں سب سے افضل ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک روز) جبریل علیہ السّلام میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مجھ کو جنّت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے میری اُمّت جنّت میں داخل ہوگی۔ ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ! کاش میں بھی آپؐ کے ساتھ ہوتا کہ اُس دروازہ کو دیکھ لیتا۔ آپؐ نے فرمایا ابوبکرؓ! آگاہ ہو کہ میری اُمّت میں سے سب سے پہلا شخص تو ہوگا جو جنّت میں داخل ہوگا۔

(مشکوٰۃ) ایک روز حضرت ابوبکر صدیقؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے دیکھا تو فرمایا: اَنْتَ عَتِیْقُ اللّٰہِ مِنَ النَّارِ (تو دوزخ کی آگ سے آزاد کیا ہوا ہے!) اس روز سے ابوبکرؓ کا نام "عتیق اللہ" ہو گیا۔ (مشکوٰۃ) ایک دفعہ آنحضرتؐ نے لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا: "میں نہیں جانتا کہ کب تک تمہارے درمیان رہوں۔ پس تم میرے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ کا اتباع کرنا!"

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک چاندنی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا کسی شخص کی اتنی نیکیاں بھی ہیں جتنے آسمان پر ستارے ہیں؟" آپؐ نے فرمایا "ہاں عمرؓ کی اتنی نیکیاں ہیں!" پھر میں نے پوچھا اور ابوبکرؓ کی نیکیوں کا کیا حال ہے؟" آپؐ نے فرمایا "عمرؓ کی نیکیاں ابوبکرؓ کی ایک نیکی (غارِ ثور میں معیّت) کے برابر ہیں۔"

حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ پاکؐ نے فرمایا: "خداوند تعالیٰ نے حق کو عمرؓ کی زبان پر رکھا ہے اور وہ حق بات کہتا ہے۔" (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی) حضرت عقبہؓ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔"

حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکل کر مسجد میں اس طرح تشریف لائے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ آپؐ کے دائیں بائیں تھے، اور نبیؐ پاک دونوں کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھے اور فرمایا قیامت کے روز ہم اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔ (ترمذی)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کوہِ اُحد پر چڑھے۔ اُحد پہاڑ حرکت کرنے لگا۔ آپؐ نے پاؤں سے ٹھوکر لگائی۔ اور کہا: "اُحد ٹھہر جا تیرے اوپر ایک نبی ہے، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (بخاری)

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی نسبت فرمایا تو میرے لئے ایسا ہی ہے جیسا کہ موسیٰؑ کے لئے ہارونؑ۔ ہاں البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت زیدؓ بن ارقم کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا میں دوست ہوں، علیؓ اُس کا دوست ہے۔ (ترمذی۔ احمد)

حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے علیؓ مجھ سے ہے اور میں علیؓ سے ہوں اور علیؓ ہر ایماندار کا ساتھی ہے۔ (ترمذی)

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپنے صحابہ کرامؓ سے جنھوں نے ہر مشکل وقت میں آپ کا ساتھ دیا اور دینِ اسلام کی خاطر اور اللہ کی رضا کیلئے محبوب ترین چیزوں کو قربان کرنے سے دریغ نہ کیا، کس قدر محبت تھی۔ یہ چند ارشاداتِ نبوی بطورِ نمونہ پیش کئے گئے ہیں۔ ورنہ مستند اسلامی لٹریچر صحابہؓ کے فضائل سے مملو ہے۔ دراصل یہ ساری احادیث قرآنی الفاظ رضی اللہ عنہ ورضوا عنہ کی قسم کی آیات اور سورۃ الفتح کے آخری رکوع کی تفسیر ہیں۔

ان سب تفصیلات کے باوجود مسلمانوں ہی کے ایک گروہ نے اصحابِ رسول کو بایں ہمہ فضیلت اپنی نفرت، بغض، حسد اور غضب کا نشانہ بنایا ہے۔ حالانکہ مسلمان تو ایک طرف غیر مسلم مؤرخین اور مصنفین بھی اصحابِ رسولؐ کی تعریف کرتے ہیں اور انہیں ہر قسم کے حسنِ اخلاق کا مظہر خیال کرتے ہیں۔ طوالت کے خوف سے غیر مسلم مؤرخین و مصنفین کی آراء کے اقتباس درج نہیں کئے جا رہے۔ البتہ ایک ضروری بات وضاحت طلب ہے کہ اس بات کی رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نہ صرف نشاندہی کی بلکہ بڑے زور سے بیان فرمایا کہ اصحابِ رسولؐ کو سب و شتم اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جائے گا۔ آپ کی دوررس نگاہ اور کمال فراست سے یہ پیش گوئی عین ممکن ہے ذرا غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ جب انبیاء و رُسُل جن کی فضیلت و عظمت حد درجہ مُسلّم ہے۔ اپنے اپنے دور میں مظالم کا تختۂ مشق بنائے گئے، ہر ممکن طریقہ سے ستائے گئے اور اُن میں سے بعض کو قتل بھی کر دیا گیا تو اصحابِ رسولؐ کے ساتھ بھی ایسا کیا جانا ضروری اور لابُدی ہے۔ کیونکہ انبیاء و رُسُل کے قریب ترین یہ ہی پاک باز لوگ ہیں خود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے کہ میری اُمّت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ اُمّت علماء کے سرخیل بلکہ علماء ساز تو یہ ہی صحابہ کرامؓ تھے۔ پس بادنیٰ تأمّل یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اُصولاً جو شخص بھی پورے طور پر انبیائے کرام علیہم السّلام کے نقشِ قدم پر چلے گا۔ بدفطرت لوگ ہر دور میں اس کی مخالفت پر کمربستہ رہیں گے اور اُن کی استقامت کے مطابق ہی اُن کی مزاحمت کی جائے گی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم انبیاء کرام کے سردار تھے چنانچہ

آپؐ کے فرمان کے مطابق آپؐ کو تمام نبیوں سے بڑھ کر تکالیف پہنچائی گئیں۔ چونکہ صحابہ کرامؓ کا گروہ اُسوۂ حسنہ میں انبیائے کرام کے قریب ترین ہے۔ لہٰذا وہ سُنّت یہاں بھی پوری ہو کر رہے گی جو انبیاء کے ساتھ ہوئی یعنی وہ ستائے گئے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو۔ میرے صحابہؓ کے معاملے میں۔ میرے بعد اُن کو (طعن و تشنیع) کا نشانہ نہ بناؤ۔ کیونکہ جس شخص نے اُن سے محبّت کی تو میری محبّت کے ساتھ اُن سے محبّت کی، اور جس نے اُن سے بُغض رکھا تو میرے بُغض کے ساتھ اُن سے بغض رکھا، اور جس نے اُن کو ایذا پہنچائی اُس نے مجھے ایذا پہنچائی، اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی، اور جو اللہ کو ایذا پہنچانا چاہے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑے گا۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہؓ کو بُرا کہتے ہیں تو تم ان سے کہو خدا کی لعنت ہو تمہارے اُس بُرے فعل پر۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی)

صحابہ کرامؓ میں سے بھی ابوبکر صدّیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ اور علی مرتضیٰؓ کا مقام سب سے بلند ہے۔ اُن کے فضائل اور مناقب کا کسی قدر تذکرہ ہو چکا اس کے علاوہ یہ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو نہ صرف اپنے خصوصی مشیروں کے طور پر اختیار کیا ہوا تھا۔ بلکہ اُن کے ساتھ قریبی رشتہ داریاں قائم کر لی تھیں اور اس طرح انہیں بطرزِ انبیاءؑ کا وہ قرب نصیب ہو گیا جس سے وہ باقی صحابہؓ سے ممتاز ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی صاحبزادی کو آپؐ نے اُس کی صغر سنی کے باوجود اپنے نکاح میں لے لیا۔ اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کو اُم المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت عثمانؓ وہ صحابیٔ رسولؐ ہیں کہ آپؐ نے اپنی دو لڑکیاں یکے بعد دیگرے اُن کے نکاح میں دیں، اور اس طرح انہیں "ذوالنّورین" کا لقب ملا۔ حضرت علیؓ آپؐ کے چچا زاد بھائی تھے۔ انہوں نے تو پرورش ہی آپؐ کے ہاں پائی تھی۔ اس لئے وہ تو پہلے ہی رسولِ پاکؐ کے قریبی تھے۔ بعد ازاں آپؐ نے اپنی سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہؓ کا نکاح ان سے کر دیا اور انہیں بھی دوسرے تعلّقات کے علاوہ دامادیٔ رسول کا شرف حاصل ہو گیا۔

ان چاروں حضرات کو جو خصوصی تعلق اور قربِ رسولِ پاکؐ کے ساتھ تھا وہ دیگر صحابہ کرامؓ سے پوشیدہ نہ تھا۔ چنانچہ سب حضرات ان چاروں کو عزّت اور تکریم کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان ہی چاروں کو یکے بعد دیگرے رسولِ پاکؐ کی وفات کے بعد خلافت کی ذمّہ داری سونپی گئی اور امیر المومنین بنائے گئے۔ اللہ اُن سے راضی ہو۔

حضرت عرباض بن ساریہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تم میں جو شخص میرے بعد رہے تو بہت اختلافات دیکھے گا، تو تم لوگوں پر لازم ہے کہ میری سنّت اور خلفائے راشدین کی سُنّت کو اختیار کرو۔ اُس کو دانتوں سے مضبوط تھامو اور نو ایجاد اعمال سے پرہیز کرو کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ (احمد۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)

رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہؓ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اس دن اللہ ذلیل نہیں کرے گا نبیؐ کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اُس کے ساتھ ہیں!" (سورۂ تحریم) یہ فیصلہ کُن آیت بتاتی ہے کہ جس طرح قیامت کے دن نبی کی رسوائی محال ہے۔ اسی طرح نبیؐ کے ساتھیوں کی رسوائی بھی محال ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرّم ہوا حقیقی معنوں میں وہی صاحبِ تکریم ہوا۔ خواہ دنیا والے اُس کے متعلق کیسے ہی خیالات رکھیں۔ حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم خدا کے برگزیدہ بندے اور اولوالعزم رسول ہیں لیکن کچھ لوگ انہیں لعنتی سمجھتے ہیں (نعوذ باللہ) خدائی فیصلے کے سامنے ان لوگوں کی زبان درازی کی کوئی وقعت نہیں سوائے اس کے کہ اللہ کے رسول کے خلاف زبان کھول کر وہ خود اپنے آپ پر ابدی لعنت مسلّط کر لیں۔ اسی طرح رسولِ پاکؐ کے ظاہری اور روحانی رشتہ داروں یعنی صحابہ کرامؓ کو سبّ وشتم اور مطعون کرنے سے اُن پاکبازوں کا تو کچھ نہیں بگڑتا البتہ ایسا کرنے والے رسولِ پاکؐ کی ناراضی اور خدا کے غضب سے کبھی نہیں بچ سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت اور صحابہ کرامؓ کی محبّت اور تکریم نصیب فرمائے۔ آمین!

ڈاکٹر اسرار احمد

اسلام میں خدمتِ خلق کا تصوّر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

یہ مقالہ ڈاکٹر صاحب نے لاہور گلبرگ لائنز کلب کے اجلاس منعقدہ ۲۳ جنوری ۶۸ء میں پیش کیا۔ جس کے ساتھ موصوف نے زبانی مزید تشریحات بھی کیں تھیں ج۔ ر (مرتب)

خدمتِ خلق کا عمومی تصوّر : دنیوی فلاح و بہبود

جہاں تک خدمت خلق کے عمومی تصوّر کا تعلق ہے، یعنی نسلِ انسانی کے اُن افراد کی خدمت و امداد جو یتیمی یا بیوگی کی بنا پر یا کسی بیماری یا حادثے کے سبب سے یا کسی اور مجبوری و معذوری کے باعث معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں اور خود اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوسکیں، تو اسلامی تعلیمات میں اس پر بھی زور و تاکید میں ہرگز کوئی کمی نہیں بلکہ میری محدود معلومات کی حد تک اس کی جتنی تاکید اسلام میں ہے اتنی نہ کسی اور مذہب میں موجود ہے نہ کسی دُوسرے نظامِ فکر میں ——— تاہم اس میدان میں اسلام کی اصل CONTRIBUTION یہ ہے کہ اس نے خدمتِ خلق کے تصوّر کو دو ایسی نئی سمتیں DIMENSIONS عطا کی ہیں جو عام طور پر اس میں شامل نہیں سمجھی جاتیں۔

اسلام میں اِنسانی ہمدردی کی تاکید

خدمتِ خلق کی تاکید اور اہمیت کے ضمن میں چند آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویہ کا حوالہ کافی ہوگا:۔

۱ - مذہب کے عام رسم پرستانہ تصوّر (RITUALISTIC CONCEPT) کے مطابق اسلام کے بارے میں بھی عام تصوّر یہ قائم ہوگیا ہے کہ اس میں اصل اہمیت

...ات کی ہے ۔ یہ غلط فہمی جب مزید پختہ ہوتی ہے تو عبادات کے بھی صرف ظاہری پہلو سے
...ہی باقی رہ جاتی ہے اور ان کی اصل رُوح کی جانب توجّہ باقی نہیں رہتی ۔ ان غلط تصورات
...نی اور تردید کے ضمن میں سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۷ جسے آیۂ برّ کا نام دیا جاسکتا ہے
...درجہ اہمیت کی حامل ہے، اُس کا ترجمہ یہ ہے: "نیکی صرف یہی نہیں ہے کہ تم اپنے رُخ
...شرق و مغرب کی جانب کرلو، بلکہ اصل نیکی اس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر، اور یوم قیامت
...اور فرشتوں پر اور آسمانی کتابوں پر اور نبیوں پر، اور خرچ کیا اُس نے مال، اس کی محبت
...علی الرغم رشتہ داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر، اور مسافروں پر، اور سائلوں پر
...لوگوں کی گردنوں کو غلامی یا قرض وغیرہ کے بندھنوں سے آزاد کرانے میں، اور قائم
...نماز اور ادا کی زکوٰۃ، اور پورا کرنے والے اپنے عہد کے جب باہم کوئی معاہدہ کرلیں
...خصوصاً صبر کرنے والے فقر و فاقہ پر اور مصائب و تکالیف پر اور جنگ کے میدان میں،
...یہی لوگ ہیں حقیقت میں راستباز اور یہی ہیں فی الواقع متقی!" اس آیۂ مبارکہ میں
...یمان کے فوراً بعد، صلوٰۃ و زکوٰۃ سے بھی پہلے جو ارکان اسلام میں سے ہیں، ذکر کیا گیا ابنائے
...نوع کی ہمدردی و مواساۃ کا ۔ اور ان کی تکالیف کے رفع کرنے یا ضروریات کے پورا
...کرنے میں اپنا مال صرف کرنے کا!

۲ - آیۂ برّ میں جو بات نہایت تفصیل سے بیان ہوئی اسے حد درجہ اجمال کے ساتھ بیان کر دیا گیا سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۹۲ میں جس سے قرآن حکیم کا چوتھا پارہ شروع ہوتا ہے یعنی "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط" تم نیکی کا رتبہ ہرگز حاصل نہیں کر سکتے جب تک (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزیں نہ صرف کرسکو!" ——— گویا انسانی ہمدردی کے صفت کے بغیر ایک انسان خواہ عالم بن جائے خواہ عابد، خواہ مفسّر بن جائے ۔ خواہ محدّث اور خواہ فقیہ بن جائے خواہ مفتی، از روئے قرآن حکیم نیک ہرگز نہیں قرار پا سکتا ۔

۳ - یہی حقیقت ہے جسے آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حد درجہ فصاحت و بلاغت اور ایجاز و اعجاز کے ساتھ بیان فرمایا ان الفاظِ مبارکہ میں کہ "مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ!" یعنی جو شخص دل کی نرمی اور رقّتِ قلب سے محروم ہو گیا وہ کل کے کل خیر سے محروم ہو گیا!

۴ - اس مضمون کے اعتبار سے اس سے بھی زیادہ اہم اور واضح مقام قرآن حکیم کے آخری پارے میں سورۃ بلد میں ہے - جہاں اوّلاً اللہ تعالےٰ نے انسان پر اپنے احسانات کا ذکر فرمایا ہے اور پھر شکوے کے انداز میں فرمایا ہے کہ "فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ" ___ "انسان گھاٹی کو عبور نہ کر سکا" ___ پھر سوال کیا "تم جانتے ہو کہ وہ گھاٹی کونسی ہے؟" ___ پھر جواباً ارشاد فرمایا "گردنوں کا بندھنوں سے چھڑا دینا، اور قحط کے ایام میں کھانا کھلانا، کسی یتیم کو جو قرابت دار بھی ہے اور کسی محتاج کو جو مٹی میں رُل رہا ہے" ___ اور اس کے بعد فرمایا "ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ" یعنی "پھر شامل ہوا وہ ان لوگوں میں جو ایمان لائے اور جنہوں نے باہم ایک دوسرے کو نصیحت کی صبر کی اور ایک دوسرے پر شفقت و رحمت کی!" گویا یہاں انسانی ہمدردی اور خدمت خلق کو مقدم کر دیا گیا خود ایمان پر جو دین کی اہم ترین اور بنیادی حقیقت ہے - اس سے اصلاً اشارہ کیا گیا ہے اس حقیقت کی جانب کہ ایمان کا بیج صرف ان لوگوں کی شخصیتوں میں پوری طرح بار آور ہوتا ہے جن میں انسانی ہمدردی کا یہ بنیادی وصف موجود ہو - اس کے برعکس بخیل اور کٹھور دل لوگوں کے دلوں کی زمین خود ایمان کے بیج کو بھی ضائع کر دیتی ہے -

۵ - آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ جو در اصل قرآن ہی کی تفسیر کامل ہے اسی حقیقت کی نمایاں ترین مثال ہے - آغازِ وحی سے قبل آنحضورؐ کی سیرت مطہرہ میں یہ تمام اوصاف بتمام و کمال بدرجۂ اتم موجود تھے - چنانچہ جب پہلی وحی آئی اور آپؐ پر بنائے طبع بشری کسی قدر گھبراہٹ طاری ہوئی تو آپؐ کی زوجۂ محترمہ اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے انہی الفاظ میں آپؐ کو دلاسا دیا کہ "اللہ آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا، آپ یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی فرماتے ہیں، محتاجوں اور مسکینوں کی دستگیری فرماتے ہیں اور مسافروں اور بے آسرا لوگوں کی خدمت کرتے ہیں!" ___ اور اسی کا کامل پرتو اور مکمل عکس ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیرت میں کہ جب آپ ہجرتِ حبشہ کے ارادے سے مکہ سے نکلے تو ابن الدغنہ یہ کہہ کر باصرار انہیں واپس لے آیا کہ "ہم ہرگز آپ کو جانے نہیں دیں گے - آپ تو

بوں اور مسکینوں کے غمگسار اور یتیموں اور بیواؤں کے سرپرست ہیں!"

۶ - یہی سبب ہے کہ قرآن حکیم جملہ اخلاقِ حسنہ کی جڑ اور اساس "جود و سخا" کو قرار دیتا ہے اور تمام اوصاف رذیلہ کی بنیاد بخل کو ٹھہراتا ہے - جیسے سورۃ واللیل میں فرمایا فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ۝ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی ۝" ——— یعنی "جو جود و سخا اور تقویٰ سے متصف ہے اور ہر اچھی بات کی تصدیق کرتا ہے اسے تو ہم رفتہ رفتہ سب سے بڑی آسانی (یعنی جنت) تک پہنچا دیں گے اور جو بخیل ہے اور بے پرواہی اختیار کرتا ہے اور اچھی بات کی تکذیب کرتا ہے تو اسے ہم رفتہ رفتہ سب سے بڑی مشکل (یعنی دوزخ) کا نوالہ بنا دیں گے!"

۷ - قرآن حکیم کی ان آیات مبارکہ پر اگر اضافہ کر لیا جائے ان احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا کہ آپؐ نے فرمایا (۱) "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" یعنی دین تو نام ہی خیر خواہی کا ہے! (۱۱) خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ" لوگوں میں سے بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے! (۱۱۱) "لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ" یعنی (تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے! (اور (۱۷) "لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِیْ یَشْبَعُ وَجَارُہٗ جَائِعٌ بِجَنْبِہٖ" یعنی (مومن کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ خود پیٹ بھر لے درآنحالیکہ اُس کا پڑوسی بھوکا ہو! تو بات بالکل کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام انسانی ہمدردی اور خدمت خلق پر کسقدر زور دیتا ہے (۷) اس ضمن میں چوٹی کی حدیث وہ ہے جس کی رُو سے کل مخلوق کو خدا کا کنبہ قرار دیا گیا ہے "اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ" (۷۱) اور اُسی کی شرح ہے جو بیان ہوئی ایک حدیثِ قدسی میں جس کی رُو سے قیامت کے روز اللہ تعالےٰ انسان سے شکوہ کرے گا کہ "اے میرے بندے میں بھوکا تھا میں نے تجھ سے کھانے کو مانگا لیکن تو نے مجھے کھانا نہ دیا اور اے میرے بندے میں ننگا تھا میں نے تجھ سے کپڑے مانگے لیکن تو نے مجھے کپڑے نہ پہنائے"

جس پر بندہ اظہار تعجب کرے گا کہ "اے رب! تُو تو ان تمام احتیاجات سے
ہے! تو اللہ فرمائے گا کہ "میرے فلاں فلاں بندوں نے جب تیرے سامنے دستِ
سوال دراز کیا تھا تو اُن کے پردے میں اصل سائل مَیں ہی تو تھا!"
گویا قرآن اور حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں بالکل غلط نہیں کہا جس نے کہا
"دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو   ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں"
"طریقت بجز خدمتِ خلق نیست   بتسبیح و سجادہ و دلق نیست!" — اور
دل بدست آور کہ حج اکبر است

خدمتِ خلق کے تصوّر کی تکمیل

لیکن جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں اس میدان میں اسلام کی اصل
CONTRIBUTION یہ ہے کہ اس نے خدمتِ خلق کے تصوّر کو دو نئے
ابعاد یعنی DIMENSION عطا کئے ——— جن میں سے ایک کا تعلق
ہے اسلام کے اساسی نظریات و معتقدات سے اور دوسرے کا تعلق ہے اس
کے نظامِ اجتماعی سے۔

اُخروی فوز و فلاح

چونکہ اسلام کے نزدیک انسان کی اصل زندگی دنیوی زندگی نہیں بلکہ اُخروی
جو ابدی و لامتناہی ہے بقولئے الفاظ قرآنی "وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى
آخرت بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی" ——— اور "وَاِنَّ الدَّارَ
الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○" ——— "اصل
زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، کاش کہ انہیں معلوم ہوتا!" ——— اور
بقول علامہ اقبال ؎
"تُو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ!   جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی"

لہٰذا اسلام کے نزدیک اصل فلاح و بہبود اور حقیقی کامیابی و کامرانی
آخرت کی فلاح و بہبود اور آخرت کی کامیابی و کامرانی ہے
چنانچہ اسی بنیاد پر اسلام میں انسانی ہمدردی اور خدمتِ خلق کے تصوّر میں ایک

بالکل نیا مفہوم پیدا ہوجاتا ہے اور وہ ہے انسانوں کی اُخروی نجات اور اُخروی فوز و فلاح کی فکر اور اس کی سعی و جہد! ـــــــ اور ظاہر ہے کہ اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ اگر تو زندگی بس یہی دنیا کی زندگی ہے اس کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں تب تو اصل فلاح و بہبود یہیں کی فلاح و بہبود اور اصل عیش و آرام اسی دنیا کا عیش و آرام ہے بقول شاعر ؎

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست ! " اور خدمتِ خلق کا تصور بھی اسی حد تک محدود رہے گا کہ بھوکوں کو کھانا کھلا دیا جائے، ننگوں کو کپڑے پہنا دیئے جائیں، بیماروں کی دوا دارو علاج معالجے کا بندوبست کر دیا جائے، محتاج گھر اور یتیم خانے کھول دیئے جائیں، معذور لوگوں یعنی اندھوں، بہروں، لولوں، لنگڑوں، اور ناقابلِ علاج امراض میں مبتلا لوگوں کے آرام و آسائش اور دلداری و دلجوئی کا اہتمام کیا جائے، لیکن اگر معاملہ دُوسرا ہے اور اصل زندگی موت کی سرحد کے پار واقع ہوئی ہے اور وہ 'جاوداں' بھی ہے اور 'پیہم دواں' بھی تو اصل حقیقت وہ قرار پائے گی جو غزوۂ احزاب کے موقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس زبانوں پر بایں الفاظ جاری ہوئی کہ "اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃ" "اے اللہ! آخرت کے عیش کے سوا کوئی عیش نہیں!" گویا اصل عیش ہے تو صرف آخرت کا اور اصل آرام و چین ہے تو صرف وہاں کا ـــ اور اصل فوز و فلاح ہے تو اُخروی اور اصل کامیابی و کامرانی ہے تو آخرت کی ـــــــ چنانچہ خلق کی اصل خدمت بھی یہ ہوگی کہ اس کی آخرت و عاقبت کو سنوارنے کی فکر کی جائے اور اسے ہمیشہ کے عذاب سے بچا کر دائمی امن و سکون اور آرام و اطمینان کی راہ پر ڈالا جائے ۔ اور اصل خادمِ خلق وہ ہوگا جو خلق کی ہدایت کے لئے کوشاں ہو اور اس کی ابدی و سرمدی فوز و فلاح کے لئے اپنی جان، اپنا مال، اپنی قوتیں اور صلاحیتیں اور اپنا وقت صرف کرے! چنانچہ یہی ہے خدمتِ خلق کا وہ تکمیلی مرحلہ جس میں صرف ہوا آغازِ وحی کے بعد سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک لمحہ ـــــــ اور جس میں صرف ہوئیں آپ کے جسم و جان کی جملہ قوتیں اور توانائیاں! اور اس میں

اس درجہ انہماک تھا آپؐ کو کہ نہ صبح اس سے فارغ تھی نہ شام اور نہ دن اس سے خالی تھا نہ رات! چنانچہ دن کے اوقات میں اس کے لئے سرگرمی اور دوڑ دھوپ تھی دعوت وتبلیغ اور انذار وتبشیر کی صورت میں تو رات کی گھڑیوں میں اسی کے لئے مشغولیت تھی اللہ تعالیٰ سے خلق کی ہدایت کی دعا واستدعا کی شکل میں! فَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا وَفِدَاهُ اٰبَاءُنَا وَاُمَّهَاتُنَا !!!

اسی کیفیت کو ایک تمثیل کے پیرائے میں بیان کیا ہے آنحضورؐ نے کہ "میری اور تمہاری مثال ایسے ہے کہ آگ کا ایک بہت بڑا گڑھا ہے جس میں تم گرے پڑ رہے ہو اور میں تمہیں تمہارے کپڑے پکڑ پکڑ کر گھسیٹ رہا ہوں!" اس کیفیت کا احساس کسی درجے میں ہم خود بھی کر سکتے ہیں کہ اگر سڑک پر کوئی اندھا جا رہا ہو اور ہم دیکھیں کہ آگے گڑھا ہے جو اس غریب نابینا انسان کو نظر نہیں آ رہا تو کون خادمِ خلق ہوگا جو اسے چیخ کر خبردار کرنے اور اگر وہ بہرا بھی ہو تو دوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر روکنے کی کوشش نہ کرے گا! بس اسی پر قیاس کر لیجئے کہ اگر کسی کی باطنی حِس بیدار ہو جائے اور وہ آگ کے اس عظیم گڑھے کا مشاہدہ اپنی باطنی بصیرت سے کر لے جسے جہنم کہتے ہیں اور جس کی جانب بے خبری و لاعلمی میں اس کے دوست، احباب، اعزہ، اقربا، حتیٰ کہ تمام ابنائے نوع پورے جوش وخروش کے ساتھ بڑھے جا رہے ہوں تو کیا وہ دیوانہ وار اُن کو خبردار کرنے کی کوشش نہ کرے گا اور اپنی تمام توانائیاں اور قوتیں نوعِ انسانی کو اس دردناک انجام سے بچانے میں نہ کھپا دے گا اور کیا اسکی اس وارفتگی میں بھوکوں کے پیٹ بھرنے اور ننگوں کے تن ڈھانپنے کی فکر بھی وقتی طور پر دب کر نہ رہ جائے گی؟ اس لئے کہ کسی کی پیٹ میں لگی ہوئی بھوک کی آگ بجھانے سے کیا حاصل اگر وہ کل کا کل آگ کا نوالہ بنا جا رہا ہو؟

اور کسی کی کسی وقتی اور فوری تکلیف اور عارضی احتیاج کو رفع کرنے کا کیا فائدہ جبکہ وہ دائمی اور مستقل عذاب کے راستے پر سرپٹ دوڑا جا رہا ہو۔ تاہم یہ بات میں نے صرف بغرض تفہیم عرض کی ہے ورنہ منطقی طور پر درست ہونے کے باوجود یہ بات مطابقِ واقعہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسلام میں جب دعوت وتبلیغ کا اصل محرک ہی خلقِ خدا کے ساتھ خلوص واخلاص اور ان کی خیر

خواہی و ہمدردی کا جذبہ ہے تو کیسے ممکن ہے کہ کوئی داعیٔ حق کسی کو تکلیف میں دیکھے اور تڑپ نہ اٹھے اور اگر اس کی تکلیف رفع کرنے پر کسی درجہ میں قادر ہو تو تن من دھن سے اس پر آمادہ نہ ہو جائے بقول شاعر ؎

"خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے!"

یہ عرض کرنا غالباً تحصیلِ حاصل شمار ہوگا کہ آنحضورؐ اور صحابہ کرامؓ کے دور کے بعد انسان دوستی، ابنائے نوع کی ہمدردی اور خدمتِ خلق کے اس ابتدائی اور عمومی — اور اسلام کے نظامِ معتقدات کی رُو سے تکمیلی تصوّرات کی جامعیت کے نمونے نظر آتے ہیں صرف صوفیائے کرام کی شخصیتوں میں، جن کی دعوت و تبلیغ کا اصل محرّک صرف خلقِ خدا کی خیر خواہی کا جذبہ تھا اور جن کی زندگیاں اس امر کا منہ بولتا ثبوت تھیں کہ وہ انسان دوست بھی ہیں اور خادمِ خلق بھی — مزید برآں یہ عرض کرنا بھی غیر ضروری ہی سا معلوم ہوتا ہے کہ خدمتِ خلق کے دونوں تصوّر کسی طرح بھی ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتے بلکہ ہر اعتبار سے ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں اور جس طرح خلق کی ہدایت اور اس کی اُخروی فلاح کے لئے تبلیغ و دعوت صرف وہ درست ہے جس کی بنیاد میں خدمتِ خلق کا جذبہ کارفرما ہو اسی طرح خدمتِ خلق بھی صرف وہی حقیقی اور واقعی ہے جس کے ساتھ ابنائے نوع کی ہدایت و نصیحت اور اُن کی ابدی و سرمدی فوز و فلاح کا پہلو بھی موجود ہو — ورنہ صرف دنیوی فلاح و بہبود کے کام بھی بسا اوقات صرف اپنی ذات کی PROJECTION اور اپنی اَنا کی تسکین — اور حصولِ شہرت بلکہ جاہ پسندی اور اقتدار طلبی کے ذرائع بن کر رہ جاتے ہیں۔

قیامِ نظامِ عدلِ اجتماعی

فکرِ اسلامی نے خدمتِ خلق کے تصوّر کو ایک مزید سمت (DIMENSIONS) قیامِ نظامِ عدلِ اجتماعی کی سعی و جہد کی صورت میں عطا کی ہے۔ یعنی ایک ایسا عادلانہ و منصفانہ معاشرہ برپا کیا جائے اور ایک ایسا مبنی بر قسط و عدل نظامِ اجتماعی قائم کیا جائے جس میں کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے، چنانچہ نہ سیاسی جبر اور حاکمانہ استبداد (POLITICAL REPRESSION) باقی رہے نہ مالی و معاشی استحصال

(ECONOMIC EXPLOITATION) اس لئے کہ جتنی سفیہانہ و احمقانہ بات یہ ہے کہ گندگی کے ڈھیروں اور بیماری کے منبعوں اور سرچشموں سے تو کوئی تعرض نہ کیا جائے اور سارا زور دوا دارو اور علاج معالجے ہی پر صرف کر دیا جائے، اتنی ہی نادانی اور سادہ لوحی پر مبنی ہے یہ بات بھی کہ ایک ظالمانہ نظام کو تو قائم رکھا جائے البتہ اس ظلم کی چکی میں پس کر معذور و بے بس ہو جانے والے لوگوں کے لئے محتاج گھر کھول کر اپنی جھوٹی نیکی اور کھوٹی رحمدلی کے جذبہ کی تسکین کا اہتمام کیا جائے ——— یہی وجہ ہے کہ قرآن میں کارِ نبوت اور فریضۂ رسالت کے ہدف و مقصود کی تعبیر کی گئی ان الفاظ سے کہ "لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ" ——— "اور ہم نے بھیجے اپنے رسول واضح تعلیمات اور بیّن نشانیوں کے ساتھ اور نازل فرمائی ان کے ساتھ کتاب و شریعت بھی اور اتارا ایک متوازن نظامِ اجتماعی بھی تاکہ لوگ قائم ہوں عدل و قسط پر" اور اُس نظامِ عدل اجتماعی کے قیام و نفاذ کے لئے ضرورت پڑنے پر لوہے کی قوتِ حرب و ضرب کے استعمال کو تعبیر کیا گیا اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد و نصرت ایسے اعلیٰ و ارفع مقام اور مرتبے سے بفحوائے الفاظ قرآنی "وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ" ——— "اور ہم نے اتارا لوہا جس میں حرب و ضرب کی شدید صلاحیت ہے اور لوگوں کے لئے بعض دوسرے فوائد بھی" "تاکہ اللہ دیکھے کہ کون ہیں وہ لوگ جو مدد کرتے ہیں اُس کی اور اس کے رسولوں کی غیب میں ہونے کے باوجود" ——— اور یہی سبب ہے اس کا کہ سورۃ بقرہ کی جس آیۂ برّ کا حوالہ میں نے بالکل آغاز میں دیا تھا اور جو قرآن حکیم میں نیکی اور تقویٰ کی حقیقت کے موضوع پر جامع ترین آیت ہے اُس میں ایمان کے بعد نیکی کے مظاہر عملی میں ابتدا میں ذکر ہوا انسانی ہمدردی اور خیرات و صدقات میں اپنا محبوب مال صرف کرنے کا اور اُس کا اختتام ہوا میدانِ جنگ میں صبر و مصابرت کے ذکر پر۔ گویا از روئے قرآن حکیم نیکی کی چوٹی یا "ذروۃ السنام" یہ ہے کہ دینِ حق یا نظامِ عدل اجتماعی کے قیام و نفاذ کے لئے انسان نقد جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جنگ میں حاضر ہو جائے اور پھر کسی صورت میں قدم پیچھے نہ ہٹائے! ——— چنانچہ یہی ہے وہ بات

جو فرمائی تھی حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران نے سپہ سالارِ افواجِ ایران کے اس سوال کے جواب میں کہ جب فی الوقت ہمارے اور تمہارے مابین کوئی نزاع موجود نہیں ہے تو تم لوگ کیوں ہم پر چڑھ آئے ہو؟ حضرت سعدؓ نے فرمایا: "اِنَّا قَدْ اُرْسِلْنَا لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ ظُلُمَاتِ الْکُفْرِ وَالْجَهَالَةِ اِلٰی نُوْرِ الْاِیْمَانِ وَمِنْ جَوْرِ الْمُلُوْکِ اِلٰی عَدْلِ الْاِسْلَامِ!" یعنی "ہم اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ لوگوں کو کفر و جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لائیں اور بادشاہوں کے ظلم و ستم کے پنجے سے نجات دلا کر اسلام کے عدل سے روشناس کریں!" حضرت سعدؓ کے اس جملے میں ایک جانب تو اشارہ ہو گیا اس حقیقت کی طرف کہ ع "ہیں آیا نہیں لایا گیا ہوں!" کے مصداق اسلام کے صدرِ اوّل میں مسلمان خود کسی "مالِ غنیمت یا کشور کشائی" کے شوق میں نہیں نکلے تھے بلکہ ان کا نکلنا خالصتہً خدائی حکم کے تحت گویا "مامور من اللہ" ہونے کی حیثیت سے تھا اور دوسری جانب اس ایک جملے میں بیک وقت جمع ہو گئے فکرِ اسلامی اور تعلیم قرآنی کے وہ دونوں پہلو جنہیں میں نے "خدمتِ خلق کے تصور کے ضمن میں اسلام کی عطا کردہ دو نئی سمتوں (یعنی DIMENSION) سے تعبیر کیا ہے!

یہاں یہ مغالطہ نہ ہو کہ اسلام نے شاید صرف سیاسی حقوق ہی پر زور دیا ہے۔ واقعہ اس کے بالکل برعکس یہ ہے کہ اسلام نے اصل زور معاشی عدل و انصاف اور سرمایہ و دولت کی منصفانہ تقسیم اور ذرائع پیداوار پر تصرف کے عادلانہ نظام پر دیا ہے اور اس ضمن میں اپنے ہدف مطلوب اور مطمحِ مقصود کو تعبیر فرمایا ہے ان مبارک اور جامع الفاظ سے کہ:- "کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ" یعنی "ایسا نہ ہو کہ سرمایہ تمہارے دولتمندوں ہی کے مابین گردش میں رہے"

——— یعنی یہ نہ ہو کہ ملک کی کل دولت سمٹ کر چند خاندانوں یا ایک مخصوص طبقے کے قبضہ و تسلط میں چلی جائے جن کا باہمی لین دین لاکھوں اور کروڑوں کے حساب سے ہو چنانچہ ایک ایک دعوت اور ایک ایک تقریب پہ لاکھوں صرف ہو جائیں اور دوسری ایک طبقہ ایسا وجود میں آ جائے جسے نان جویں کے بھی لالے پڑے ہوں اور پھر وہ حرام اور سراسر ظلم و ناانصافی سے کمائی ہوئی دولت کی بنا پر

وجود میں آئے ہوئے لکھ پتی اور کروڑ پتی لوگ اپنی دیگوں کی کھرچن ان بھوکوں کے سامنے ڈال کر حاتم طائی کی قبر پر لات ماریں اور اپنے جود و سخا کے دل خوش کن تصور سے شاد کام ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف واضح فرما دیا کہ حرام کی کمائی سے صدقہ و خیرات خدا کے یہاں بالکل مقبول نہیں ہے "اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ وَلَا یَقْبَلُ اِلَّا الطَّیِّبَ" ـــــــ "اللہ خود پاک ہے اور صرف پاک چیز ہی قبول کرتا ہے۔" حتیٰ کہ حرام خور کی دعا بھی اللہ کے یہاں مقبول نہیں "وَ اَنّٰی یُسْتَجَابُ لَہٗ مَطْعَمُہٗ حَرَامٌ وَ مَلْبَسُہٗ حَرَامٌ وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ" "اور اس کی دعا قبول ہو تو کیسے جبکہ اس کا کھایا ہوا بھی حرام کا ہے اور پہنا ہوا بھی حرام اور اسکا سارا تن و توش حرام کی غذا سے تیار ہوا ہے؟" جبکہ دوسری طرف تصور دیا گیا کہ حلال کی کمائی سے انسان اگر اپنی بیوی کے منہ میں بھی لقمہ ڈالتا ہے تو اللہ کے یہاں اسے بھی صدقہ قرار دیا جاتا ہے! ـــــــ اور یہی سبب ہے کہ اسلام کے نظامِ خلافت کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے وہ بات جسے خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق نے بیان فرمایا بیعتِ خلافت کے بعد اپنے پہلے خطبے میں بدیں الفاظ کہ: "تم میں سے ہر کمزور میرے نزدیک قوی ہوگا جب تک اسے اس کا حق دلوا نہ دوں اور ہر قوی میرے ضعیف ہوگا جب تک اس سے حق وصول نہ کر لوں!" اور بالکل صحیح کہا ہے علامہ اقبال مرحوم نے "نکتۂ شرعِ مبیں" کی اس وضاحت میں کہ ؎

"کس نباشد در جہاں محتاجِ کس نکتۂ شرعِ مبیں این است و بس!"

الغرض ـــــــ جس طرح "PREVENTION IS BETTER THAN CURE" کے مسلمہ اصول کے مطابق حفظانِ صحت کی جملہ تدابیر اختیار کر کے بیماری کا انسداد و سدباب کرنا اہم تر اور مقدم تر ہے۔ البتہ اس کے باوجود جو بیماریاں پیدا ہو ہی جائیں ان کے ضمن میں علاج معالجے کا اہتمام بھی ضروری ہے ـــــ اسی طرح نظامِ اجتماعی کو ان تمام ناہمواریوں سے پاک کر کے ہر جہت سے عدل و قسط پر استوار کرنا ہر طرح اہم تر اور مقدم تر ہے تاکہ وہ محرومیاں اور ناداریاں وجود ہی میں نہ آئیں اور غربت و افلاس پیدا ہی نہ ہو جس کے لئے صدقہ و خیرات کی حاجت ہو، البتہ اس کے باوصف اگر کوئی کسی سبب سے معذور و لاچار ہو ہی جائے تو ضرورت

ہے کہ ابنائے نوع کے قلوب ہمدردی اور انسان دوستی کے جذبے سے اس درجہ سرشار ہوں کہ وہ اپنی محبوب ترین متاع کو ان کے ازالے کے لئے صرف کرنے میں کوئی باک محسوس نہ کریں! چنانچہ یہی ہے اسلام کا جامع ترین تصورِ خدمتِ خلق جس میں وہ عام تصورِ خدمتِ خلق بھی شامل ہے جو سب کو معلوم ہے اور مزید براں وہ مزید دو سمتیں بھی شامل ہیں جن میں سے ایک کا تعلق اسلام کے مخصوص نظامِ عقاید و ایمانیات سے ہے —— اور دوسری کا انسان کے نظامِ اجتماعی سے! ——
اور ان تینوں کا کامل ظہور ہوا تاریخِ انسانی کے اُس دور میں جس کی یاد نوعِ انسانی کی اجتماعی یادداشت (COLLECTIVE MEMORY) میں بالکل اُسی طرح محفوظ ہے جس طرح کسی فرد کے دل و دماغ میں کسی حسین خواب کی یاد باقی رہ جاتی ہے، اور جسے دُنیا "خلافتِ راشدہ" کے نام سے جانتی ہے، جس میں ایک طرف جانب انسانی اخوّت اور اس سے پیدا شدہ باہمی ہمدردی و مواساۃ انتہائی بلندیوں پر تھیں تو دوسری جانب حرّیت آخری ممکنہ حد کو پہنچی ہوئی تھی اور تیسری جانب مساوات کامل ترین صورت میں جلوہ گر تھی —— بقول علّامہ اقبال مرحوم

کُلّ مومنٍ اخوۃ اندر دلش — حرّیت سرمایۂ آب و گلش
ناشکیبِ امتیازات آمدہ! — در نہادِ او مساوات آمدہ!

جس کی برکات کا ادنیٰ مظہر یہ ہے کہ لوگ خیرات و صدقات کا مال لئے پھرتے تھے اور انہیں قبول کرنے والا دستیاب نہ ہوتا تھا! —— فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ وَاَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ!
(وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ!!)

ماہانہ اقامتی تربیت گاہ یکم جولائی ۷۸ء سے اِن شاء اللہ یہ تربیت گاہ قرآن اکیڈمی میں شروع ہوگی۔ تفصیلی اعلان ٹائیٹل کے آخری صفحہ پہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ مرکزی انجمن اور تنظیم اسلامی کے تمام وابستگان اور دیگر طالبانِ علم سے اس تربیت گاہ سے استفادہ کرنے کی درخواست ہے۔ شرکت کے خواہش مند حضرات کو ۲۴ جون تک لازماً اپنی آمد کے پروگرام سے مطلع کر دینا چاہیئے۔ (محمد بشیر ملک)

غیر سُودی بنکاری

محمد جمیل چوہدری لیکچرر گورنمنٹ غزالی کالج جھنگ

دنیا کے موجودہ اقتصادی نظام میں بنکاری کو جو اساسی اہمیت حاصل ہو گئی ہے وہ ہم سب کو معلوم ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ اس کا قرآن و سنت کی روشنی میں حل تلاش کیا جائے۔ یہ مضمون اسی کی ایک کڑی ہے۔ ضروری نہیں کہ صاحبِ مضمون کے فکر سے مکمل اتفاق کیا جائے تاہم یہ ایک فکر انگیز کوشش ضرور ہے۔ (ع ا)

جب کسی مسلمان کو بتایا جاتا ہے کہ اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے تو پہلا سوال جو اس کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سود کے بغیر بنک اور دوسرے مالی ادارے کیسے چلائے جا سکتے ہیں۔ اس سوال کا جواب اسلام کے شرکت و مضاربت کے شرعی اصولوں میں پایا جاتا ہے۔

شرکت یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد افراد کسی کاروبار میں متعین سرمایوں کے ساتھ شریک ہوں۔ تمام افراد مل کر کاروبار کریں اور کاروبار کا نفع یا نقصان طے شدہ نسبتوں سے تقسیم کریں۔ لیکن مضاربت میں ایک فریق سرمایہ فراہم کرتا ہے اور دوسرا فریق کاروبار کرتا ہے۔ نفع یا نقصان دونوں فریق طے کردہ نسبتوں سے تقسیم کر لیتے ہیں غیر سودی بنکاری کا نظام بھی انہی اصولوں کے مطابق چلایا جا سکتا ہے۔ اس مضمون میں طریق کار کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

بنک کا آغاز غیر سودی بنک کا قیام مشترکہ سرمایہ کی کمپنی (JOINT STOCK COMANY) کے طور پر ہوگا۔ بنک کے محرکین لوگوں کو حصص خریدنے کی دعوت دیں گے۔ جو لوگ بنک کے حصص خریدیں گے وہ بنک کے حصہ دار متصور ہوں گے۔ حصہ دار اپنے میں سے بورڈ آف ڈائریکٹرز کا انتخاب کریں گے۔ بنک کے عملہ اور پالیسی کا تعین بھی یہی بورڈ کرے گا۔ حصہ داروں کا فراہم کردہ سرمایہ مساوی بھی ہو سکتا ہے اور غیر مساوی بھی۔ بنک کے ایک حصہ کی مالیت پہلے سے طے کر لی جائے گی اور ہر حصہ دار کو اجازت ہوگی کہ وہ جتنے چاہے حصے خریدے۔ کل حصوں کی تعداد پہلے ہی طے کر لی جائے گی۔

کاروبار بنکاری سے حاصل شدہ منافع تمام حصّہ داران اپنے لگائے ہوئے سرمایہ کی مقداروں سے تقسیم کریں گے۔ بنک کے مجموعی منافع کو اس کے مجموعی سرمائے پر تقسیم کرنے سے ہر حصّہ دار کے منافع کا تعیّن کرلیا جائے گا اور اگر کسی سال کاروبار بنکاری میں نقصان ہو تو یہ نقصان حصّہ داران کے درمیان ان کے سرمایوں کی نسبت سے تقسیم کرلیا جائے گا۔ نفع یا نقصان کا تعیّن ہر مالی سال کے آخر میں ہوگا۔ حصّہ داران کا منافع فوری طور پر تقسیم کرلیا جائے گا اور نقصان کی صورت میں تمام حصّہ داران مزید سرمایہ فراہم کریں گے۔ کیونکہ نقصان کی ذمّہ داری سب سے زیادہ حصّہ داران پر ہی عائد ہوتی ہے۔ مالی سال کے آخر میں ہر شریکِ کار کو کاروبار سے الگ ہونے کی اجازت ہوگی!

مزید سرمایہ کا اصول حصّہ داروں کے سرمائے کے علاوہ مجوّزہ بنک کئی اور طریق سے بھی سرمایہ اکٹھا کرسکتا ہے۔ ان میں سے دو اہم طریقوں کی وضاحت کی جاتی ہے:

I : مجوّزہ بنک عام لوگوں اور بچت کاروں کو ترغیب دے گا کہ وہ اپنا سرمایہ مضاربت کے اصول پر بنک کو دیں۔ اس طریق سے حاصل شدہ سرمایہ کو جس کھاتہ میں رکھا جائے گا، اُسے "مضاربت کھاتہ" کہا جائے گا۔ یہ صورت تقریباً میعادی امانتوں (FIXED DEPOSITS) جیسی ہوگی۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ مضاربت کھاتہ داران نفع و نقصان دونوں میں شریک ہوں گے جبکہ جدید بنکاری میں میعادی امانتداروں کو متعیّن شرح سے نفع ملتا ہے جسے سود کہا جاتا ہے۔ میعادی امانت داران کی طرح مضاربت کھاتہ میں رکھی جانے والی رقوم ایک خاص مدّت کے لئے جمع کروائی جائیں گی اور متعیّنہ مدّت سے پہلے واپس نہیں ہوسکیں گی۔ بنک اس سرمائے کو اپنے سرمایہ کے ساتھ کاروبار میں لگائے گا۔ حاصل شدہ نفع کو کل سرمائے پر تقسیم کرکے کسی کھاتہ دار کے حصّے میں جو نفع آئے گا، اس کی ایک طے شدہ نسبت بنک رکھے گا۔ اور باقی نفع کھاتہ دار کو مل جائے گا اگر بنک کو کاروبار میں خسارہ ہوجاتا ہے تو یہ کاروبار میں لگے ہوئے کُل سرمایہ پر تقسیم ہوگا، اور مضاربت کھاتہ داران کو اپنے حصّے کا نقصان برداشت کرنا ہوگا۔ کسی بھی کھاتہ دار کی مالی ذمّہ داری اس کی جمع کردہ رقم سے متجاوز نہیں ہوگی یعنی اسے زیادہ سے زیادہ جو نقصان ہوسکتا ہے، وہ یہ کہ اس کی جمع کردہ رقم ڈوب جائے۔

II : دوسرے طریقے کے مطابق بنک عوام کو دعوت دیگا کہ وہ اپنی آمدنیاں اور بچتیں

حفاظت اور ادائیگی میں سہولت کی خاطر بنک کو قرض دیں۔ بنک ان کو عندالطلب واپس کرنے کا پابند ہوگا۔ اس طریقے سے جو رقم اکٹھی ہوگی۔ اسے "قرض کھاتہ" میں رکھا جائے گا۔ قرض کھاتہ CARRENT ACCOUNT کی طرح کا ہوگا۔ اس کھاتہ میں رقوم قرض کے طور پر جمع رہیں گی اور بنک ان کو کاروبار میں لگا سکے گا۔ ان رقوم پر حاصل شدہ نفع صرف بنک کو ملے گا۔ اس نفع میں کھاتہ داروں کا حصّہ نہیں ہوگا۔ کھاتہ دار صرف اپنی اصل رقوم ہی ضرورت پڑنے پر واپس لے سکے گا۔ جدید بنکنگ کی طرح غیر سودی بنکنگ کا نظام چلانے والوں کو بھی تجربہ سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ تمام لوگ اپنی رقوم بیک وقت طلب نہیں کرتے۔ بلکہ کل رقم کا صرف ایک خاص فیصد ہی طلب کیا جاتا ہے لہٰذا یہ متعیّن فیصد زرِ محفوظ رکھ کر باقی ماندہ رقوم کو قلیل مدّت کاروبار میں لگایا جا سکے گا۔

آج کل بنکوں کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ جاری حساب CARRENT ACCOUNT میں رکھی جانے والی میعادی امانتوں (FIXED ACCOUNT) میں رکھی جانے والی رقوم سے زیادہ ہوتی ہیں۔ اس سے ملتی جلتی صورتِ حال مجوّزہ "قرض کھاتہ" اور "مضاربت کھاتہ" کی بھی ہوگی۔ اور قرض کھاتہ میں مضاربت کھاتہ سے زیادہ رقوم جمع ہونگی جو بنک کے زیادہ منافع کا سبب بنیں گی۔ کیونکہ قرض کھاتہ کے نفع میں کھاتہ داران شریک نہیں ہوں گے۔

مجوّزہ قرض کھاتہ میں جمع شدہ رقوم چونکہ فوری طور پر ادا کرنی ہوں گی۔ اس لئے مجوّزہ بنک قرض کھاتہ کے زرِ محفوظ مضاربت کھاتہ سے زیادہ رکھے گا۔ اگرچہ جدید بنکنگ میں یہ رجحان زور پکڑ رہا ہے کہ معیاری اور جاری حسابات کے لئے یکساں نسبت سے زرِ محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ تجربات سے قرض کھاتہ اور مضاربت کھاتہ کے زرِ محفوظ بھی یکساں کئے جا سکیں گے۔

بنک کے غیر معمولی نقصانات کی تلافی کے لئے حصّہ داروں کے نفع میں سے ایک RESERVE FUND قائم کیا جائے گا۔ رواں مالی سال کے نفع کا ایک خاص فیصد اس فنڈ میں رکھ کر آئندہ ہونے والے نقصانات اس سے پورے کئے جا سکیں گے۔ اس طرح حصّہ داروں کے اصل سرمایہ میں کمی نہیں آئے گی۔ غیر معمولی نقصانات کی تلافی مضاربت کھاتہ داروں کے نفع سے نہیں ہوگی۔ اس کے لئے صرف حصّہ داروں کا

نفع ہی استعمال کیا جاسکے گا، کیونکہ حصّہ دار ہی بنک کے آجر شمار ہوتے ہیں۔

نفع کمانے کے طریقے غیر سودی بنک بھی جدید بنک کی طرح خالص کاروباری ادارہ ہوگا۔ جس کا مقصد شرعی اصولوں کی حدود میں رہتے ہوئے زیادہ سے زیادہ نفع کمانا ہوگا۔ اس کے لئے درج ذیل طریقے اختیار کئے جائیں گے :-

ا : بنک اپنا سرمایہ شرکت کے اصول پر کاروباری فریق کو فراہم کرے گا۔ کاروباری فریق کو فراہم کرے گا۔ کاروباری فریق اس سرمایہ کو اپنے سرمایہ کے ساتھ کاروبار میں لگائے گا۔ دونوں فریق کاروباری معاملات میں بھی شریک ہوں گے۔ بنک کی طرف سے مختلف شعبوں کے خصوصی ماہرین شامل ہوں گے۔ شرکت کے اس معاہدہ کے وقت کاروبار کی نوعیت، مدّت اور نفع کی نسبت طے کرلی جائے گی۔ یہ بھی طے کیا جائے گا کہ بنک کی مالی ذمّہ داری اس کے فراہم کردہ سرمایہ کی حد تک ہوگی یعنی یہ محدود ہوگی، لامحدود نہیں ہوگی۔ اس کے علاوہ بنک اور کاروباری فریق جو بھی شرائط چاہیں طے کرسکتے ہیں۔ شرکت کے اُصول پر سرمایہ فراہم کرنے کی صورت میں نفع یا نقصان کی نسبت بھی طے کرلی جائے گی۔ کسی فریق کے لئے کوئی متعیّن رقم طے نہیں کی جائے گی۔ نفع یا نقصان کی تقسیم درج ذیل مثال سے واضح کی جاسکتی ہے۔

اگر بنک اور کاروباری فریق دونوں نے ایک ایک لاکھ کاروبار میں لگایا ہو اور نفع برابر تقسیم ہونا طے پایا ہو تو نفع کے دس ہزار روپیہ میں سے نو ہزار کاروباری فریق کا اور پانچ ہزار بنک کا ہوگا۔ اور اگر کاروبار میں اتنا ہی نقصان ہوا ہو، تو دونوں کا سرمایہ اتنی ہی مقدار کے برابر کم ہوجائے گا۔

ب : بنک کے لئے کاروبار کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سرمایہ مضاربت پر فراہم کیا جائے۔ مضاربت کے طریق پر ایک فریق سرمایہ فراہم کرتا ہے، اور دوسرا کاروبار کرتا ہے۔ لہٰذا مجوّزہ بنک صرف سرمایہ فراہم کرے گا، اور کاروبار میں عملاً شریک نہیں ہوگا کاروبار کو چلانے کی تمام تر ذمّہ داری کاروباری فریق پر ہوگی۔ البتہ بنک کاروبار کے حسابات چیک کرنے اور کاروباروں کے فیصلوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا حقدار ہوگا۔ یہ تمام تفصیلات مضاربت کے معاہدہ کے وقت طے کرلی جائیں گی۔ بنک صرف اس صورت میں سرمایہ مضاربت پر فراہم کرے گا۔ جب اس کو اصل سرمایہ

محفوظ رہنے اور نفع حاصل ہونے کے روشن امکانات ہوں گے۔ اس صورت میں بھی نفع یا نقصان کی ذمہ داری پہلے سے طے کر لی جائے گی۔ اگر کاروباری فریق کو دورانِ کاروبار مزید سرمایہ کی ضرورت پڑ جائے تو یہ ضرورت قرض لے کر پوری کی جائے گی۔ قرض مجوّزہ بنک سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے اور کسی تیسرے فریق سے بھی۔

نفع کا تعین مختلف صورتوں میں مختلف طرح سے ہو گا۔ ایک صورت یہ ہے کہ کاروباری فریق صرف بنک سے حاصل کردہ سرمایہ سے کاروبار کر رہا ہو اور کاروبار میں کسی اور قسم کا سرمایہ نہ لگایا گیا ہو۔ اس صورت میں اگر ایک لاکھ روپیہ کے کاروبار میں پانچ ہزار کا نفع ہوتا ہے۔ اور نفع کا حصّہ برابر برابر تقسیم ہونا ہو تو اڑھائی ہزار روپیہ کاروباری فریق کا اور اڑھائی ہزار روپیہ بنک کا حصّہ ہو گا۔ نفع کی مساوی تقسیم کی جگہ دونوں فریق باہمی رضامندی سے کوئی اور نسبت بھی طے کر سکتے ہیں اگر کاروبار میں نقصان ہوتا ہے تو تمام نقصان سرمایہ کا مالک یعنی بنک ہی برداشت کریگا کیونکہ مضاربت کے طریقے میں تمام نقصان سرمایہ میں واقع ہوتا ہے۔ کاروباری فریق کا وقت اور محنت ضائع ہوتی ہے۔ اس کی مزید وضاحت فقہ کی کتب میں ملتی ہے۔

دوسری صورت میں کاروباری فریق نے بنک کے ایک لاکھ سرمایہ کے ساتھ اگر اپنا ایک لاکھ روپیہ کا سرمایہ بھی لگا رکھا ہو اور نفع ۲۰ ہزار روپیہ حاصل ہو۔ تو پہلے یہ نفع سرمایہ کی نسبت سے تقسیم کیا جائے گا۔ اس طرح بنک کے حصّے میں جو نفع آئے گا، اس میں سے نصف بھی کاروباری فریق کو ملے گا۔ کیونکہ بنک کے سرمایہ نفع حاصل کرنے کے لئے محنت صرف کاروباری ہی نے کی ہے۔ اس طرح ۲۰ ہزار کے نفع میں سے ۱۵ ہزار کاروبار فریق کے اور صرف ۵ ہزار بنک کو ملیں گے، اور اگر ۲۰ ہزار کا نقصان ہو تو دونوں فریق برابر برداشت کریں گے۔

ج : اپنی آمدنی کو بڑھانے کے لئے مجوّزہ بنک عام تجارتی اور صنعتی اداروں کے حصص بھی خریدے گا۔ لیکن کوئی ایسا حصّہ نہ خریدا جا سکے گا۔ جس کے ساتھ سود وابستہ ہو۔ اس طرح جدید کمپنیوں کی طرح کے عام حصص (COMMAN SHERES) خرید جا سکیں گے۔ ان حصّوں پر نفع صرف اس صورت میں ملتا ہے جب متعلقہ کمپنی کو بھی نفع حاصل ہو رہا ہوتا ہے۔ اور اگر کسی وقت بنک کو بہت سے نقد روپیہ کی ضرورت پڑ جائے

تو یہ حصص فروخت کر کے بنک اپنی نقدیت (LIQUIDITY) میں اضافہ کر سکے گا

د : دورِ جدید کے بنکوں کی طرح غیر سودی بنک بھی بہت سی خدمات اجرت یا کمیشن پر سرانجام دے گا۔ جیسے زیورات، دستاویزات اور دوسری قیمتی اشیاء کی حفاظت اس کے لئے بنک آج کل کے بنکوں کی طرح مناسب اجرت وصول کرے گا۔ رقوم کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی کے لئے ڈرافٹ یا سفری چیک جاری کرے گا۔ ان خدمات کے بدلے بنک معمولی کمیشن وصول کرے گا۔ اس طرح کی اور بے شمار خدمات جو بنک آج کل سرانجام دیتے ہیں۔ غیر سودی بنکاری میں بھی جاری رہیں گی۔

غیر سودی قرضوں کا اجراء | سودی بنکنگ کے حامیوں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ مجوزہ غیر سودی بنکاری نظام لوگوں کو بلاسود کس طرح قرض دے سکتا ہے۔ کیونکہ بنک کے اخراجات کا ایک بہت بڑا حصّہ اس سود سے پورا کیا جاتا ہے۔ جو کاروباری افراد کو قرض دینے سے وصول ہوتا ہے۔

لیکن مجوّزہ نظام میں غیر سودی قرض دنیا میں کوئی نئی بات نہ ہوگی۔ دنیا میں اس سے پہلے بھی بہت بڑی مقدار میں غیر سودی قرضوں کا لین دین ہوتا رہا ہے۔ جنگِ عظیم دوم کے بعد امریکہ نے اپنے اتحادیوں کو اربوں ڈالر بلاسود قرض دیا۔ جنگ میں یورپ کے تمام کارخانے، ہوائی اڈے اور بندرگاہیں تباہ ہو چکی تھیں۔ اس تمام نقصان کو پورا کرنے کے لئے امریکہ نے منصوبہ تیار کیا جسے مارشل پلان کہا جاتا تھا۔ اس منصوبے کے تحت امریکہ نے تین سال کے عرصے میں ۱۳ ہزار ملین ڈالر بطور امداد اور قرض کے دیئے گئے۔ بغیر سود کے قرض لینے دینے کا رجحان اب بین الاقوامی بنکوں میں بھی رواج پا رہا ہے۔ عالمی بنک نے ایک علیحدہ فنڈ قائم کیا ہے، جس میں کروڑوں ڈالر کی رقوم ترقی پذیر ملکوں کو بلاسود قرض دینے کے لئے اکٹھی جاتی ہیں۔ اسی طرح سے اسلامی ممالک نے جدّہ میں ایک اسلامی ترقیاتی بنک قائم کیا ہے جو مختلف ملکوں کے ترقیاتی منصوبوں کے لئے بلاسود قرض فراہم کرے گا۔ آئیے ! اب دیکھیں کہ مجوّزہ غیر سودی بنک کس طرح افراد کو قرض مہیا کرے گا جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے غیر سودی بنکوں میں لوگوں کی رقوم دو طرح کے کھاتوں میں جمع کی جائیں گی۔ اوّل مضاربت کھاتہ اور دوم قرض کھاتہ۔ بلاسود قرض دینے کے لئے قرض کھاتہ کی رقوم استعمال کی جائیں گی۔ اور یہ قرضے قلیل مدّت کے لئے دیئے جائیں گے قرض کھاتہ

کی رقوم پر بنک کو بھی سود ادا نہیں کرنا ہوگا۔ اس لئے ان رقوم میں سے کاروباری افراد اور صارفین کو قرض دیا جاسکے گا۔

کاروباری افراد کو بلاسود قرضے کاروباری افراد کو قلیل مدّت کے لئے جس نئے سرمایہ کی ضرورت ہوگی وہ مضاربت کے اُصول پر مہیّا کرنا مشکل ہوگا کیونکہ قلیل مدّت کے لئے نفع و نقصان کا حساب دشوار ہوگا۔ اس کے علاوہ کوئی کاروباری فرد یہ پسند نہیں کرے گا کہ کاروبار کے آخری مراحل میں کسی دوسرے فریق کو کاروبار کے نفع میں شریک کرے۔ اس کے لئے یہی حل ہوگا کہ اسے قلیل مدّت کے لئے بلاسود قرض مل جائے گا۔ آج کل جب کوئی کاروباری فرد بنک سے قرض لیتا ہے تو بنک اس قرض کے بقدر نیا زر (BANK MOEY) پیدا کرتا ہے۔ کاروبار کی تکمیل کے بعد جب کاروباری فریق قرض واپس کرتا ہے تو بنک کا پیدا کردہ زر واپس شدہ رقوم کے برابر کم ہوجاتا ہے اس طرح کاروباری افراد کی ایک وقتی ضرورت پوری ہوجاتی ہے۔ بالکل اسی طرح کامل غیر سودی بنکاری میں بھی جاری رہے گا اور قرض کھاتہ کی بنیاد پر نیا زر پیدا کرکے کاروباری افراد کی وقتی ضرورت پوری کی جائے گی۔ قرض کھاتہ میں آج کل کے جاری حساب (CARRENT ACCOUNT) کی طرح رقوم اکٹھی ہوں گی۔ اس کا بہت قلیل حصّہ زرِ محفوظ کے طور پر رکھا جائے گا اور باقی ماندہ رقوم کے حصّے کئے جائیں گے۔ ایک حصّہ کو مضاربت کے اُصُول پر نفع آور کاروبار کے لئے استعمال کیا جائے گا اور دوسرے حصّے کو قلیل المیعاد غیر سودی قرض دینے کے لئے جدید بنکاری نظام کی طرح مضاربت کے اُصول پر سرمایہ حاصل کرنے والے اور قلیل المیعاد (SHORT PERIOD) قرض حاصل کرنے والے یہ رقوم بنکوں میں ہی دوبارہ جمع کروائیں گے۔ اس طرح بنکوں کی رقوم میں اضافہ ہوگا۔

فرض کیجئے بنک اپنے زرِ محفوظ (RESERVE) کے لئے قرض کھاتہ کی رقوم کا ۱۰ بز رکھنا ضروری سمجھتے ہیں تو باقی ۹۰ بز رقوم سے ۵۰ بز بلاسود قرضوں کے لئے اور ۴۰ بز مضاربت کے لئے رکھی جاسکتی ہیں۔

قرض کھاتہ کو ۴۰ فیصد رقوم جو مضاربت کے لئے استعمال کی جائیں گی۔ ان سے حاصل ہونے والے منافع میں سے قرض کھاتہ داروں کا کوئی حصّہ نہیں ہوگا کیونکہ یہ رقوم

عند الطلب واپس لی جاسکتی ہیں۔ مضاربت سے حاصل ہونے والا منافع ہی بلاسود قرضوں کا محرک ہوگا۔ اس کے علاوہ کاروباری افراد سے تعلقات بڑھانا اور بنک کی ساکھ کو قائم رکھنا بھی، بنکوں کو غیر سودی قرض جاری کرنے کی ترغیب دے گا۔

تیسرا محرک غیر سودی قرضوں کا یہ ہو سکتا ہے کہ جن افراد کو بنکوں نے مضاربت پر سرمایہ فراہم کیا ہوگا، اور انہیں افراد کو قلیل مدت قرض کی بھی ضرورت پڑ جائے تو ایسے افراد کی مدد کرنا بنکوں کے لئے بھی مفید ہوگا۔ کیونکہ بنکوں کے اپنے نفع کا انحصار بھی اسی قرض پر ہوگا

صارفین کے قرضے غیر سودی بنک بھی جدید بنک کی طرح ایک کاروباری ادارہ ہوگا۔ اس لئے بنک صارفین کی ضروریات کی تکمیل کے لئے بہت زیادہ مقدار میں قرضہ نہیں دیا جاسکے گا۔ صارفین کی ضروریات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ بنیادی ضروریات وہ ہیں جن کی تکمیل پر انسانی زندگی کے قیام و بقا کا انحصار ہے۔ ان میں خوراک لباس، مکان، تعلیم اور علاج وغیرہ شامل ہیں۔ ان ضروریات کا پورا ہونا ایک اسلامی معاشرہ میں اشد ضروری ہوگا۔ ان کے بعد ان ضروریات کا درجہ ہے، جن کی تکمیل خوشحال زندگی کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ ان کو جدید معاشیات میں آسائشات (COMFORTS) کہا جاتا ہے۔ ان کے حصول سے انسان کی کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے اور صلاحیتیں اُجاگر ہوتی ہیں۔ ایک ترقی پذیر معاشرہ کے لئے ان دونوں قسم کی ضروریات کا پورا ہونا ضروری ہے۔ جہاں تک بنیادی ضروریات کا تعلق ہے، اس کی ذمہ داری اسلامی ریاست کے سر ہے۔ جس کے لئے بیت المال کا نظام قائم کیا جاتا ہے۔ خوراک، لباس اور بہت سی دیگر ضروریات تو بیت المال سے مفت پوری کی جائیں گی۔ اس لئے خوراک، لباس جیسی ضروریات کے لئے کسی قسم کے قرض کی ضرورت نہ رہے گی۔ اس کے علاوہ بیت المال کے تحت ایک فنڈ قائم کر کے باقی ماندہ ضروریات کے لئے صارفین کو قرض حسنہ فراہم کیا جاسکتا ہے۔ بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لئے دیہاتوں اور شہروں میں لوگ تعاون باہمی کی بنیاد پر ادارے قائم کر کے بھی یہ مسئلہ حل کر سکتے ہیں۔ بنکوں پر صارفین کو قرض مہیا کرنے کی ذمہ داری محدود پیمانے پر ڈالنی چاہئے۔ کیونکہ بنک بنیادی طور پر کاروباری ادارہ ہوگا اور ان صرف کاروباری افراد کو قرض مہیا کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

مجوزہ بنک صارفین کو پائیدار اشیاء جیسے موٹر، مکان، وغیرہ کی خریداری کیلئے قرض مہیا کرے گا۔ اور اس کے لئے متعلقہ شے کو ضمانت کے طور پر رکھا جائے گا۔ بنک یہ سہولت اپنے کھاتہ داروں کو OVER DRAFT کے ذریعے مہیا کرے گا۔ اس کا طریقہ تقریباً وہی ہوگا جو آج کل اختیار کیا جاتا ہے۔ البتہ کسی قسم کا سود وصول نہیں نہیں کیا جا سکے گا۔

غیر سودی بنک کاری کا یہ ایک مختصر سا خاکہ ہے اور یہ ایک تو اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ افراد کو بنک قائم کرنے اور ان کو ذاتی منفعت پر چلانے کی آزادی ہوگی۔ دوسرا یہ کہ ملک میں سود کا لین دین قانوناً ممنوع قرار دیا جائے گا۔

اگر بنکاری کا نظام حکومت کے ہاتھ میں آجائے تب بھی انہیں اصولوں پر یہ نظام چلایا جا سکتا ہے۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ حصہ داروں کے سرمایہ کی بجائے تمام سرمایہ حکومت لگائے گی۔ پاکستان میں تمام بنک یکم جنوری ۱۹۷۴ء کو قومی تحویل میں لئے جا چکے ہیں۔ اور اب بنک قائم کرنے کے اختیارات صرف وفاقی حکومت کو حاصل ہیں۔ اس طرح غیر سودی بنکاری کا نظام حکومت کی طرف بہت آسانی سے نافذ کیا جا سکتا ہے۔

جنرل محمد ضیاء الحق کی حکومت نے پاکستانی بنکوں کو بلا سود چلانے کے لئے معاشی ماہرین اور بنکرز کا ایک پینل مقرر کر دیا ہے جو عملی طریقوں کا جائزہ لے رہا ہے تاکہ غیر سودی بنکاری نظام ملک میں جلد از جلد نافذ کر دیا جائے۔

کتابیات

۱- غیر سودی بنکاری : ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی

۲- شرکت و مضاربت کے شرعی اصول : ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی

۳- اسلام اور سود : ڈاکٹر انور اقبال قریشی

۴- بلا سود بنکاری : شیخ احمد ارشاد

۵- AN OUT LINE OF INTERESTLESS BANKING — BY MUHAMMAD UZAIR

۶- ECONOMICS OF ISLAM — BY SHAIKH MUHAMMAD AHMAD

اور طرزِ تحریر اختیار کیا گیا ہے اور اس میں پے در پے بلا ثبوت و دلیل جو الزامات اور بہتانات لگائے گئے ہیں، اِس کی توقع ایک معمولی پڑھے لکھے لیکن سنجیدہ شخص سے بھی نہیں کی جا سکتی تھی، کجا ایک نامور عالمِ دین اور صاحبِ تفسیرِ قرآن سے کی جا سکے۔

ہمارے مخلصین | ہمارے بعض مخلصین کا مشورہ ہے کہ اس خط کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔ ہم ان مخلص حضرات کی رائے اور اُن کے جذبات کی قدر کرتے ہیں لیکن صورتِ حال بڑی تشویش ناک ہے۔ یہ خاموشی ایک طرح کا اعتراف بھی سمجھی جا سکتی ہے، پھر اگر اس خط میں لگائے ہوئے الزامات و بہتانات کی صفائی پیش نہیں کی جاتی تو اس امر کا شدید خطرہ ہے کہ وہ حلقہ جو ایک طرف ڈاکٹر صاحب کی دعوت اور اُن کی خدمتِ قرآنی سے متأثر ہے اور دوسری طرف مولانا موصوف کے علم و فکر کا بھی مُقِر و معتقد ہے۔ جن کا گذشتہ دس بارہ سال میں نئی نسل سے متعارف کرانے میں ڈاکٹر صاحب اور مرکزی انجمن کی مساعی کا کافی بڑا حصّہ (CONTRIBUTION) ہے، تو وہ حلقہ انتہائی ذہنی انتشار سے دوچار رہے گا، اُس کی قوّتِ عمل مفلوج ہو کر رہ جائے گی۔ اور اگر کسی کے دل میں اس دعوت کے ساتھ تعاون کا جذبہ پیدا ہو رہا ہو گا تو وہ گھُٹ کر رہ جائے گا۔ اُس کی قوّتِ فیصلہ تذبذب و تردّد کا شکار ہو کر ٹھٹھر جائے گی۔

دین کی خیر خواہی کا تقاضا | لہٰذا دین، خدمتِ قرآنی اور دعوتِ اسلامی کی خیر خواہی کا ہی تقاضا ہے کہ اِس خط میں جو الزامات لگائے گئے ہیں، اُن کا واقعاتی پس منظر میں تجزیہ کیا جائے اور ان کو صاف کیا جائے اور غم و غصّہ کے جذبات سے دامن بچاتے ہوئے پُوری خدا ترسی کے ساتھ صحیح صورتِ حال بیان کر دی جائے تاکہ بے لاگ اور صحیح فیصلہ کرنے کے لئے لوگوں کے سامنے تصویر کے دونوں رُخ موجود ہوں ــــ راقم الحروف اس سلسلہ میں ایک مفصّل مضمون لکھ رہا ہے جو اگر خدا کو منظور ہوا تو اگلے شمارے میں پیش ہو گا۔ جس میں مولانا موصوف کا مُحَوَّلَہ بالا خط من و عن شائع ہو گا۔ راقم قارئینِ 'میثاق' سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس عاجز کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائیں کہ وہ اپنے فضلِ خاص سے ناچیز کو مخالفانہ جوش و جذبہ سے محفوظ رکھے اور توفیق دے کہ میرے قلم سے صرف حق بات ہی نکلے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ٥

اعتذار | گذشتہ ماہ شائع ہونے والے مضمون "علماءِ کرام ہوشیار رہیں!" کا حوالہ اس

تحریر میں آیا ہے۔ اس مضمون میں بعض ایسے جملے بھی قلم سے نکل گئے ہیں جو ڈاکٹر صاحب کے شایانِ شان نہیں تھے۔ راقم الحروف اس مضمون کی تحریر اور 'میثاق' میں شمولیت کے وقت لاہور میں موجود نہ تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اشاعت سے قبل میں اس مضمون کے اُس حصّہ کی طرف ڈاکٹر صاحب کو توجہ دلاتا تو وہ ضرور بالضرور اُس کی اصلاح کر لیتے۔ چونکہ مجھے لاہور آنے کے بعد معلوم ہوا کہ پرچہ پریس سے آنے کے بعد جب ڈاکٹر صاحب نے اس مضمون کو دوبارہ پڑھا تو ان کو از خود احساس ہوا کہ بعض جملوں کا اندازِ تحریر غیر مناسب ہے۔ انہوں نے اسی روز مسجدِ شہداء میں اس جذباتی غلطی کا اعتراف کیا، اس پر اظہارِ ندامت کیا اور اللہ تعالیٰ سے عفو و درگذر کے طالب ہوئے، نیز اُن حضرات سے بھی انہوں نے معذرت طلب کی جن کو اِن الفاظ سے دُکھ پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب کی اجازت سے ان کے اس اعتذار کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

دعوتی کام | الحمدُ لِلّٰہ ۳۱ رمئی ۷۸ء کو مسجدِ شہداء میں مطالعۂ قرآنِ حکیم کے منتخب نصاب کا چالیس روزہ دور ختم ہوا۔ اسی طرح ماڈل ٹاؤن میں سیرتِ مطہرہ کی آخری دسویں تقریر ۹ رجون کو قرآن اکیڈمی میں ہوگی۔ جون سے ڈاکٹر صاحب کے دُروس اور خطابات کا نیا نظام الاوقات اس ضمیمہ سے قارئین کے سامنے آجائے گا، جو اسی شمارے کے آخر میں شامل ہے۔ ۲۹ رمئی کو پشاور میں ڈاکٹر صاحب نے شامِ ہمدرد میں "اسلامی معاشرے میں اخلاق کی اہمیّت!" پر تقریر کی۔ ڈیڑھ سَو سے زائد کی حاضری تھی، جس میں شہر کے اعلیٰ طبقے کے افراد شریک تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر بے حد پسند کی گئی اور شرکاء میں سے بعض حضرات نے شدید تقاضا کیا کہ دعوت رُجوع اِلیٰ القرآن کی پشاور میں بھی داغ بیل ڈالی جائے۔ اِن حضرات نے اپنے تعاون کا بھی یقین دلایا۔ اسی روز عشاء کے بعد ایک مسجد میں ڈاکٹر صاحب کے درسِ قرآن کا انتظام کیا گیا۔ حالانکہ یہ فیصلہ بروقت کیا گیا تھا اور اس کا اعلان محلّہ کی مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے کیا گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود قابلِ ذکر تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔ منتظمینِ مسجد نے ڈاکٹر صاحب کے اس کام میں ہر طرح کے تعاون کی پیشکش کی۔ اسی دوران ڈاکٹر صاحب نے پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس لاہور کے ایک ہوسٹل کے طلباء کو "انقلابِ نبوی کا اساسی منہاج!" کے موضوع پر خطاب کیا اور نیو کیمپس ہی میں ٹیچرز ٹریننگ ہوسٹل میں سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کا درس دیا۔ دونوں اجتماعات میں ڈیڑھ ڈیڑھ سو طلباء کے لگ بھگ

تعلیم دعاء

اعجاز نبوی کا آئینہ

از قلم : مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ادعیہ ماثورہ کا عظیم خزینہ

صفحات ۴۰ - سفید کاغذ آفسٹ طباعت ہدیہ ۱/۵۰ روپے

دعوت اسلامی

تاریخ کے آئینے میں

از قلم : مولانا وصی مظہر ندوی

ریڈیو جدہ (سعودی عرب) سے نشر شدہ پندرہ تقاریر

صفحات ۱۱۲ - سفید کاغذ آفسٹ طباعت ہدیہ ۴/۵۰ روپے

ڈاکٹر اسرار احمد

کا ایک پرتاثیر خطاب

نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں

بڑا سائز صفحات ۴۸ - سفید کاغذ آفسٹ طباعت ہدیہ ۱/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ : مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن - لاہور

ڈاکٹر صاحب موصوف کا ایک اہم خطاب

شرک اور اقسام شرک

زیر طبع

Regd. ...
Monthly MEESAQ Lahore

Vol. 27 | JUNE 1978 | No. 6

ان شاء اللہ العزیز دوران تعطیلات موسم گرما

۳۶ - کے
ماڈل ٹاؤن
لاہور

قرآن اکیڈمی

کے زیر اہتمام پہلا تعلیمی و تدریسی کورس

از یکم تا ۳۱ جولائی ۷۸ء

منعقد ہوگا - جس میں

مطالعہ قرآن حکیم * اور مطالعہ کتب

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی رہنمائی میں ہوگا - اور

درس حدیث نبوی اور * تدریس عربی کے فرائض

مولانا وصی مظہر ندوی

مہتمم و صدر مدرس ، مدرسہ اسلامیہ عربیہ حیدرآباد سرانجام دیں گے -

شرکت کے خواہشمند حضرات اپنے ارادے اور مختصر کوائف سے زیادہ سے زیادہ ۲۲ - جون تک اطلاع دے دیں -

المعلن : محمد بشیر ملک ، ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

بلا اطلاع تشریف لانے والے یا جزوی شرکت کے خواہشمند حضرات سے پیشگی معذرت !

ڈاکٹر اسرار احمد (ناشر) نے باہتمام چودھری رشید احمد (طابع) مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح سے چھپوا کر مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی ، ۳۶ - کے - ماڈل ٹاؤن - لاہور سے شائع کیا -